ایک دلکش ناول

دل کے گلشن سے محبت کے کنول لایا ہوں

منزہ بخاری

Aanchal Digest 2003 july

Digest Novels Lovers

Group by Nadia Majid

Imagitor

Scanned with CamScanner

دل کے گلشن سے محبت کے کنول لایا ہوں

منزہ بخاری

نظر کے سامنے حسنِ بہار رہنے دے
جمالِ دید کو پروردگار رہنے دے
سوالِ شوق کا کوئی جواب ہو کہ نہ ہو
ہمارے دل میں اُمیدیں ہزار رہنے دے

Digest Novels Lovers Group
Digestlibrary.com

"صبح بخیر آغا جان۔" ذیشانہ چائے لاتے ہوئے آغا جان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"وعلیکم صبح بخیر۔" آغا جان نے ہنس کر چائے اس کے ہاتھ سے لے کر کہا اور ساتھ ہی چائے کے سپ لینے لگے جب کہ ذیشانہ ان کے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"آغا جان! یہ وعلیکم صبح بخیر لفظ پہلی مرتبہ سنا ہے' یہ تو غلط ہوا ناں۔" ذیشانہ نے کہا۔

"اوہو آغا جان کی پوتی' تم میرا مطلب ہی سمجھی نہیں۔ میں تو تم سے مذاق کررہا تھا یہ تم کس بحث میں پڑ گئیں۔" آغا جان نے چائے کی پیالی رکھ کر اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "اچھا تمہاری بی بی جان نے نماز پڑھ لی؟" آغا جان نے چائے کی پیالی دوبارہ اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"جی آغا جان' اور ہال میں تسبیح پڑھ رہی ہیں۔"

"ویسے آغا جان! کیا بات ہے' آج موڈ خاصا خوشگوار نظر آرہا ہے۔" ذیشانہ نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"ہاں بیٹا' آج صبح سے موسم خاصا خوشگوار نظر آرہا ہے جب میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد گیا تو تازہ ہوا نے طبیعت پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا ہے۔"

"اوہ اچھا تو اسی لیے یہ کھڑکیاں کھول رکھی ہیں۔" ذیشانہ نے کھڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھول دی گئی تھیں۔

"ہاں بیٹا! اچھا تم یہ کپ لے جاؤ اور مجھے صبح کا تازہ اخبار لا دو تب تک میں قدرت کی فیاضیوں سے لطف اٹھا لوں۔" ذیشانہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

آغا جی کو اخبار دے کر ابھی وہ واپس ہی آئی تھی پیچھے سے آغا جان کی آواز سنائی دی۔ خاصے غصے میں لگ رہے تھے۔ اس نے مڑ کر آتے ہوئے آغا جان کو دیکھا تو وہ ڈر گئی۔

"نانہجار اولاد کو اسی دن کے لیے میں نے پروان چڑھایا تھا کہ ہمارے ہی خاندان کا نام بدنام کرے۔" وہ غصے سے بی بی جان کی جانب بڑھے جب کہ ذیشانہ اچانک آغا جان کا بدلتا ہوا موڈ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"یہ دیکھیے عائشہ بیگم' اپنے لاڈلے کے کرتوت۔" آغا جان نے شعلہ بار نظروں سے بی بی جان کی طرف دیکھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا اخبار ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"مالک رحم کرنا میرے بچے پر۔" ممتا تڑپ اٹھیں۔ انہوں نے گھبرا کر وقار علی خان کی طرف دیکھا جن کا چہرہ ضبط کی وجہ سے سرخ ہوگیا تھا۔

"اس نالائق کو کیا ہوگیا۔ ذلت تو ہمیشہ سے اس خاندان کا مقدر رہی ہے۔ عائشہ بیگم! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا اپنا خون ایک دن یوں غلاظتوں میں گھر جائے گا۔" انہیں کچھ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اپنے غصے کا اظہار کریں۔
"آخر بات کیا ہے خان صاحب؟" عائشہ بیگم کی بے قرار نظریں آغا جان پر ٹکی ہوئی تھیں۔
"بیگم! آپ کے بیٹے نے اپنی منسٹری چمکانے کے لیے دوسروں کی آبرو پر ڈاکے ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ اپنے ہی لوگوں کی عزتوں پر شب خون مارا ہے۔" دکھ اور آنسو ضبط کرنے سے ان کی آواز کانپ گئی۔
"خان صاحب! میرا بیٹا ایسی ذلیل حرکت نہیں کر سکتا' یہ ضرور کسی کی سازش ہے۔" عائشہ بیگم تو سرے سے ماننے کو تیار نہ تھیں۔
ذیشانہ حسن حیرت سے کبھی غصے سے بپھرے آغا جان کی طرف دیکھتی اور کبھی بے بسی سے آنسو بہاتی بی بی جان کی طرف۔
"ہنہ سازش! ذرا اپنا چشمہ درست کر کے پڑھیں۔ سامنے لکھا نظر آجائے گا کہ وزیر صحت نے سیاسی دشمنی کی بنا پر ملک اسد کی بیٹی اغوا کروالی۔" آغا جان نے نفرت سے ہنکارہ بھرا اور اخبار بی بی جان کے آگے پٹخ دیا۔ کتاب ذیشانہ حسن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ "ہیلتھ منسٹر میرے تایا ابو۔" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔
"میرے مالک تو نے میرے حصے میں اتنی رسوائیاں کیوں لکھ دی ہیں۔ کاش ایسے ذلتوں بھرے دن دیکھنے سے پہلے میرا خدا مجھے اس جہان سے اٹھا لیتا۔" وقار علی خان بے بسی سے ہاتھ ملتے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہے تھے۔ چہرہ چند ہی لمحوں میں سفید لٹھے کی مانند ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اپنے آپ پر کنٹرول کرنے کی کوشش میں چکرا کر گر پڑیں گے۔ ذیشانہ حسن نے تو ہمیشہ ان کو حکم چلاتے اور رعب ڈالتے دیکھا تھا۔ بے بسی کی آخری حدود کو چھوتا ان کا یہ روپ اس کے لیے بڑا پریشان کن تھا۔ اس نے ایک نظر آغا جان پر ڈالی اور اپنا دوپٹہ سر پر جمائی ان کی طرف بڑھ آئی۔
"آغا جان پلیز ریلیکس۔" وہ پریشانی سے کبھی ان کے ہاتھوں کو سہلاتی اور کبھی ان کے ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا کر چومتی۔
آغا جان آنکھیں موندے صوفے پر ترچھے لیٹے لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔ ذیشانہ نے بے بسی سے آغا جان کی طرف دیکھا اور پانی لینے باہر کی طرف چل دی۔ بی بی جان الگ ایک کونے میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔
"آغا جان! پانی۔" ذیشانہ نے آتے ہی گلاس آغا جان کی طرف بڑھایا۔ آغا جان نے آنکھیں کھول کر اپنی پوتی کی طرف دیکھا اور بڑے کرب سے مسکرا دیئے۔ ذیشانہ ان کے پاس ہی کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ آغا جان نے خالی گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

☆☆

"اف میرے خدا' ایک اور آزمائش۔" علی نے ایک بے بس نظر اپنے دکھی باپ پر ڈالی جو صوفے کی بیک پر سر ٹکائے نجانے کرب کے کن مرحلوں سے گزر رہے تھے۔
"بابا! آخر دکھ' اذیتیں' دربدری' ہر بار ہمارا مقدر کیوں بنتے ہیں؟" کارپٹ پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا سر باپ کے گھٹنوں پر ٹکا دیا۔ پتا نہیں علی کے لہجے میں کیا تھا انہوں نے تڑپ کر بیٹے کی طرف دیکھا اور نجانے کتنی مشکلوں سے جن آنسوؤں پر بند باندھ رکھا تھا وہی آنسو ایک تواتر سے ان کا چہرہ بھگونے لگے۔
"علی بیٹا نافرمانوں کی یہ ہی سزا ہوتی ہے۔ خاص طور پر ماں باپ کے نافرمان تو کبھی بھی سکون سے نہیں رہ سکتے۔" ان کے آنسو علی کے خوب صورت بالوں میں جذب ہونے لگے۔ علی نے چہرہ اٹھا کر آنسو بھری نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔
"بابا! قطرہ قطرہ بیتنے والی اذیت سے ایک بار میں گزر جانے والا المیہ کہیں سہل ہوتا ہے۔"
اس نے ٹشو پیپر سے باپ کے آنسو صاف کیے۔
"بابا! آپ کی دی ہوئی قسم ہر بار میرا راستہ روک دیتی ہے۔ ورنہ میں تو بہت پہلے کچھ نہ کچھ کر چکا ہوتا۔" اس کا جوان خون جوش مار رہا تھا۔
"نہیں بیٹا' مجرم تو ہمیشہ مجرم ہوتا ہے۔ وہ اپنے جرم کی سزا ضرور پاتا ہے۔ پھر کسی کو بددعا دینا وہ بھی اپنی عزیز از جان ہستیوں کو' نہیں بالکل نہیں' میرے حصے کے جتنے دکھ کاتب تقدیر نے لکھ دیئے ہیں وہ مجھے جھیلنے ہیں علی بیٹا۔" ڈاکٹر خان نے بہت پیار سے اپنے خوب صورت جوان بیٹے کے گھنے بالوں کو اپنی کانپتی انگلیوں سے سنوارا۔
"نہیں بابا آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ خیال آپ اپنے دل سے نکال کیوں نہیں دیتے۔ پلیز بابا' ریلیکس ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"
"ڈاکٹر خان آج سے سات آٹھ سال پہلے امریکہ سے حیدر آباد سیٹل ہوئے تھے وہ خود بھی ہارٹ سرجن تھے لیکن وقت اور حالات کے تھپیڑوں نے انہیں دل کا مریض بنا دیا تھا۔ ان کا بڑا بیٹا شاہ زر علی خان اپنی تعلیم مکمل کر کے حال ہی میں امریکہ سے آیا تھا اور کراچی میں اپنا بزنس کرنے کا ارادہ

digestlibrary.com
Scanned with CamScanner

رکھتا تھا۔

☆☆

"آغا جان ایک بات پوچھوں؟ ناراض تو نہیں ہوں گے آپ؟" ذیشانہ اب تک آغا جان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔ وہ لاکھ آغا جان کی لاڈلی سہی مگر ان سے ڈرتی بھی بہت تھی۔

"ہاں بیٹے پوچھو۔" انہوں نے شفقت سے پوتی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ہاتھوں کی لغزش ان کے اندرونی کرب کی غماز تھی۔

"آغا جان! تایا جان نے گھر کیوں چھوڑا تھا' کیا وہ بہت ضدی تھے؟" آغا جان نے ایک نظر سوال کرتی پوتی پر ڈالی اور خالی خالی نظروں سے خلاؤں میں گھورنے لگے' یوں لگ رہا تھا جیسے بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔ ذیشانہ نظریں کارپٹ پر جمائے ان کے بولنے کی منتظر تھی۔

"ذیشانہ بیٹا! ہمارے آباؤ اجداد کا تعلق مردان سے تھا۔ پھر ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہمیں وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا۔" وہ بات کرتے کرتے کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ "بیٹی! ہوا کچھ یوں تھا کہ میرے چچا صمد خان اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ گئے۔ ان کی منگنی اپنی تایازاد سے ہوچکی تھی۔ شروع سے ہمارے خاندان میں یہ رواج تھا کہ شادیاں اپنے خاندان میں ہوتی تھیں۔ چچا صمد وہاں جا کر ایسے سیٹ ہوئے کہ واپس پاکستان آنے کا نام نہ لیا۔ دادا حضور نے کئی خط' ٹیلی گرام روانہ کیے مگر وہاں سے نہ تو کسی خط کا جواب آیا اور نہ وہ خود واپس آئے۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کے دوست سے معلوم ہوا کہ انہوں نے وہاں کسی انگریز لڑکی سے شادی کرلی ہے۔ ان کی منگیتر اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ ایک پرانے اسٹور کو اندر سے لاک کرکے خود پنکھے سے لٹک کر خودکشی کرلی۔ سارے لوگ کئی دن تک اسے تلاش کرتے رہے مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ جب اس کی لاش گلنے سڑنے سے تعفن پیدا ہوا تو اسٹور کے دروازے کو توڑا گیا۔ یہ واقعہ سارے علاقے کے لیے عبرت کا نشان تھا۔ ہمارا خاندان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے' پھر مجبوراً سب کچھ بیچ کر سندھ میں آباد ہونا پڑا۔" آغا جان بولتے بولتے ہانپ گئے۔

"مگر آغا جان میں نے تو تایا ابو کے بارے میں پوچھا ہے۔" ذیشانہ کا سوال ہنوز برقرار تھا۔

"ہاں بیٹا پھر اس واقعے کے بعد ہمارے خاندان کے کسی لڑکے کو ملک سے باہر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ ملی۔"

وقار علی خان آہستہ آہستہ بول رہے تھے پھر انہوں نے پوتی کی طرف دیکھا جو سب کچھ جاننے کے لیے بے تاب لگ رہی تھی۔ "ذیشانہ بیٹا! اس وقت میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ یہ ساری باتیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔" آغا جان نے ذیشانہ کے سر پر بوسہ دیا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ آغا جان جیسے انسان جو اپنے لخت جگر کا نام اپنی زبان پر بیس سال کے بعد لائے تھے شاید بیٹے کی محبت اس وقت تمام جذبوں پر حاوی ہوگئی تھی' جو یہ سب بتانے پر رضامند ہوئے تھے۔ ورنہ تو ان سے کچھ پوچھنا بہت مشکل تھا۔

"پلیز آغا جان! مجھے سب بتا دیں نہیں تو میں خوامخواہ ڈسٹرب رہوں گی۔" ذیشانہ منت پر اتر آئی۔

"ذیشانہ بیٹا میں وعدہ کررہا ہوں کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" اس نے بے یقینی سے آغا جان کی طرف دیکھا۔

"ذیشانہ بیٹا' وقار علی خان کبھی بھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتا' چاہے وعدہ وفا کرنے کے لیے اسے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"

"اللہ نہ کرے آغا جان۔" اس نے دہل کر ان کی طرف دیکھا۔ پوتی کی محبت پر انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر باہر جانے کا اشارہ کیا۔

☆☆

"بابا جان! اخبار پڑھا آپ نے؟" علی ہاتھ میں اخبار لیے ڈاکٹر خان کے کمرے میں آیا اس کا چہرہ اس کی اندرونی خوشی کا پتا دے رہا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر اپنے خوب رو بیٹے کی طرف دیکھا۔

"ہاں جان پدر' میں اخبار پڑھ چکا ہوں۔"

"بابا! آپ میری خوشی کا اندازہ نہیں کرسکتے کہ میں کتنا خوش ہوں اگر آج اس خبر کی تردید نہ چھپتی تو پتا نہیں ہمیں کن کن عذابوں سے گزرنا پڑتا۔" علی ایک دم خاموش ہوگیا۔

"اچھا بیٹا چھوڑو اس قصے کو' ذرا الماری سے میری دوائیاں تو لے آؤ۔" ڈاکٹر خان اس وقت بہت پرسکون لگ رہے تھے۔ علی نے الماری کھولی تو ان کی نظر اوپر والے خانے میں پڑے فل سائز البم پر گئی۔ علی دوائیاں لے کر آیا تو وہ بدستور الماری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے دوائیاں ان کی طرف بڑھا دیں۔

"علی بیٹا! ذرا البم تو نکال آؤ۔" اس نے ہنستے ہوئے باپ

Scanned with CamScanner

کی طرف دیکھا۔ ”بابا! کوئی دن ایسا بھی گزرا ہے جس دن آپ نے اس البم کو نہ دیکھا ہو۔“

”ارے بیٹا اب یہ البم ہی تو میری کل کائنات ہے۔“

☆☆

آج ذیشانہ کی دوست فارینہ کے بھائی مغیث احمد کا دعوت ولیمہ تھا اور ذیشانہ حسن اپنے پاپا' مما اور شیروان بھائی کے ہمراہ ولیمے میں شریک تھی۔ گرین کلر کے چوڑی دار پاجامے' قمیص پر بڑا سا دوپٹہ اوڑھے' لائٹ میک اپ میں بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے اسے حسن بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا۔ وہ کب سے فارینہ کو تلاش کر رہی تھی مگر پتا نہیں وہ کہاں چلی گئی تھی۔ آخر وہ اسے اسٹیج کے قریب کھڑی نظر آ ہی گئی۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی کہ کسی سے بری طرح ٹکرائی۔ ٹکر اتنی شدید تھی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔

”پتا نہیں آپ لوگ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہیں۔ تھرڈ کلاس موویز دیکھ کر ہیروئن بننے کے شوق میں شریف بندوں سے ٹکراتی پھرتی ہیں۔“ ابھی تو وہ اتنی شدید ٹکر سے سنبھل نہ پائی تھی کہ ایک کڑکتی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے حیرت بھری نگاہیں اٹھائیں تو بس دیکھتی رہ گئی۔ اسکائی بلیو کلر کی شلوار قمیص پر ڈارک بلیو کلر کا کوٹ' پاؤں میں سلور کھسے' وہ کسی دیس کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اتنا اسمارٹ گڈلکنگ انسان پہلی بار دیکھا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جو لباس اس نے زیب تن کر رکھا ہے بنا ہی اس کے لیے ہے۔“

”محترمہ' کیا بینا ٹائز ہوگئی ہیں یا آج تک کسی مرد کو دیکھنے کا چانس نہیں ملا جو یوں دیدے پھاڑے ایک شریف آدمی کو تکے جا رہی ہیں۔“ ذیشانہ جو نہ جانے کس دنیا میں گم تھی فوراً ہوش میں آ گئی۔ ایک اجنبی آدمی سے اپنی انسلٹ پر اس کے پانی سے بھرے لبالب کٹورے ایک دم چھلک پڑے۔ اس نے اپنی خوب صورت براؤن آنکھوں کو جھپکتے ہوئے ایک بار پھر اس آدمی کی طرف دیکھا' جو اسے کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔

”سوری' میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا ورنہ یہ ٹکر نہ ہوتی۔“ ذیشانہ نے شرمندہ ہو کر معذرت کر لی اور اپنا ڈھلکا ہوا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

”ہنہ' دیکھا نہیں تھا' میں اچھی طرح جانتا ہوں آج کل کی لڑکیوں کے کرتوت۔“ اس پر تو کسی بات کا اثر نہ ہوا۔

”دیکھیے مسٹر میں آپ سے سوری کر چکی ہوں مگر آپ مسلسل میری انسلٹ کر رہے ہیں۔ لیڈیز سے بات کرنے کی تمیز کسی نے نہیں سکھائی آپ کو۔“ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

”تم کون ہوتی ہو مجھے ایٹی کیٹ بتانے والی۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔ اس طرح کی بکواس کرنے والوں کی زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دیتا ہوں۔ سمجھیں آپ۔“ اس نے کاٹ دار نظروں سے ذیشانہ حسن کی طرف دیکھا اور تیزی سے اسٹیج پر چڑھ گیا۔

”ارے ذیشانہ تم۔“ فارینہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس طرف بڑھ گئی۔ وہ ابھی تک اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں تھی۔

”ہاں فاری' میں تمہیں تلاش کر رہی تھی بہت دیر ہو گئی ہے۔ گھر جانا ہے مما' پاپا تمہارا پوچھ رہے ہیں اور شیروان بھائی کو بھی ایمرجنسی کال آئی ہے۔“ وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں جلدی جلدی بول گئی۔

”ارے واہ' تم کیسے اتنی جلدی جا سکتی ہو۔ مغیث بھائی تمہارا پوچھ رہے ہیں کہ محترمہ کی سواری' باد بہاری آئی ہے کہ نہیں' کیا ان سے نہیں ملو گی۔“ فارینہ اس کا ہاتھ تھامے اسٹیج پر لے آئی۔

”بھائی! اس ذیشانہ کو دیکھو' محترمہ ابھی سے واپس جانے کے چکر میں ہیں۔“ فارینہ نے ہنستے ہوئے دولہا کو مخاطب کیا۔ ذیشانہ حسن نے دیکھا مغیث احمد کی دوسری سائیڈ پر مسکراتا ہوا وہ شخص موجود تھا' جس کے الفاظ اب بھی ذیشانہ حسن کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح ضربیں لگا رہے تھے۔

”ارے ذیشانہ گڑیا کیا حال ہیں آپ کے؟ آپ تو وقت کے وقت مہمانوں کی طرح شریک ہوتی ہو۔ کیا بھائیوں کی شادی اس طرح اٹینڈ کرتے ہیں۔“ مغیث بھائی نے پیار بھرا شکوہ کیا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

”نہیں بھائی' وہ تو مما اور پپا کو جلدی ہے ورنہ میرا دل تو نہیں چاہ رہا کہ اتنے پیارے لوگوں کے درمیان سے اتنی جلدی چلی جاؤں۔“ ذیشانہ کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ سامنے بیٹھے بندے نے ایک نظر اس معصوم لڑکی پر ڈالی جس کی آنسو بھری نظریں اس کے دماغ کے فریم میں فٹ ہو گئی تھیں۔

”آنٹی' انکل سے میں خود بات کرتی ہوں۔ پلیز تم بھابی کے پاس بیٹھو' تم نے تو مووی بھی نہیں بنوائی۔“ فارینہ نے اسے دلہن کے پاس بٹھایا اور خود اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔ مغیث بھائی اپنے ساتھ بیٹھے شخص سے باتوں میں لگ گئے۔ اس نے

Scanned with CamScanner

مسکرا کر دلہن کی طرف دیکھا اور اس سے باتیں کرنے لگی۔ بار بار کسی کی گہری نظروں کا احساس اسے ادھر ادھر دیکھنے پر مجبور کر دیتا‘ مگر دیکھنے والے کا پتا نہ چلتا۔ مووی والا ان خوشیوں بھرے لمحات کو کیمرے میں قید کر رہا تھا۔

”سوری یار‘ میں تو تم لوگوں کا تعارف کرانا بھول گیا۔“ مغیث بھائی نے مسکراتی نظر اپنے دوست پر ڈالی۔ ”ان سے ملو یہ ہیں فارینہ کی دوست‘ میری سسٹر زیشانہ حسن خان۔ حسن علی خان کی صاحبزادی اور زیشانہ یہ ہے میرا دوست علی احمد۔“ اس کلف لگے بندے نے ایک حیران نظر زیشانہ پر ڈالی اور سر کے اشارے سے اسے وش کیا۔ زیشانہ نے تو نظر اٹھا کر بھی اس شخص کی طرف نہ دیکھا جو پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھ رہا تھا۔

”زیشانہ میں نے انکل اور آنٹی سے بات کرلی ہے شیروان بھائی تو ایمرجنسی میں جا رہے ہیں البتہ انکل اور آنٹی تمہاری خاطر کچھ وقت رکنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔“ فارینہ نے آتے ہی زیشانہ کو رپورٹ دی۔

”یار علی‘ پلیز تم مائنڈ نہ کرنا میں انکل حسن اور سمیرا آنٹی سے مل آؤں۔“ مغیث نے علی سے معذرت کی اور صوفے سے اٹھ گیا۔

”یار مجھے بھی اجازت دو‘ میری ایک ایمرجنسی کال آ گئی ہے میرا جانا لازمی ہے۔“ شیروان بڑی تیزی سے اسٹیج پر آیا اور سامنے کھڑے مغیث سے بات کرنے لگا۔ ”اچھا بھائی اللہ حافظ۔“ شیروان نے مسکرا کر دلہن کی طرف دیکھا اور مغیث کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج سے نیچے اتر گیا۔ علی نے فرنٹ لائن میں پڑی چیئرز پر بیٹھے اس جوڑے کو غور سے دیکھا جن کے ساتھ مغیث ہنس ہنس کر نہ جانے کیا باتیں کر رہا تھا اور پھر اس کی نظریں بے اختیار اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ حالانکہ وہ تو بڑا ریزرو سا بندہ تھا اور خاص طور پر لڑکیوں سے تو وہ الرجک تھا مگر اس لڑکی زیشانہ حسن میں کوئی ایسی خاص بات ضرور تھی جو اسے باقی تمام لوگوں سے منفرد کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد مغیث نے اسے دوبارہ جوائن کرلیا۔ مغیث کی کسی بات پر ہنستے ہوئے اس کی نظر سامنے زیشانہ پر پڑی جو نجانے کب سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملیں تو زیشانہ نے گھبرا کر چہرہ دوسری طرف کرلیا جیسے کوئی چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔ علی نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی۔ پھر اس نے مغیث احمد سے اجازت چاہی اور تیزی سے اسٹیج سے نیچے اتر گیا۔ اس نے حسن صاحب اور مسز حسن کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک بھرپور نظر ان دونوں پر ڈالی اور پھر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

تین چار دن کی غیر حاضری کے بعد زیشانہ حسن نے کالج جوائن کیا تو لڑکیاں اپنے اپنے انداز میں مائیگریٹ ہونے والی نئی لڑکی فلک ناز احمد پر تبصرہ کرتی اس کی آمد کی منتظر تھیں تاکہ زیشانہ حسن کے تاثرات اس لڑکی کے بارے میں کیا ہوں گے وہ جان سکیں۔

”ارے زیشانہ ڈیئر‘ یہ تین چار روز کالج نہ آ کر تم نے اپنی زندگی کی سخت ترین غلطی کی ہے۔ کیا زبردست قسم کی چیز ہمارے کالج میں جلوہ گر ہوئی ہے بمعہ اپنے گلفام بھائی کے۔“ سدرہ نے آتے ہی رپورٹ پیش کی۔

”ہاں یار تمہارے ٹکر کی لڑکی ہے۔ جیسے تم بیوٹی فل ویسی وہ پری پیکر‘ سچی تم اسے دیکھ کر کباب ہو جاؤ گی۔“ یہ آواز صبا کی تھی۔

”یہ تم لوگ آتے ہی مسلسل بولے جا رہی ہو‘ آخر کس کی بات کر رہی ہو؟“ زیشانہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”زیشانہ! ادھر میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں بتاتی ہوں‘ یہ تو یوں ہی بکواس کرتی رہیں گی۔“ شرمین نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ ”یار‘ اسٹوری کچھ یوں ہے کہ پرسوں سے حیدرآباد سے فلک ناز احمد یہاں ہمارے کالج میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہے۔ وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے اخلاق کی مالک ہے۔“

”اچھا تو یہ بات ہے بھئی اس کی تعریف سن کر میرا دل کر رہا ہے کہ میری ملاقات اس سے جلد ہو۔“ زیشانہ بھی ان لوگوں کے ساتھ باتوں میں شامل ہو گئی۔

”مگر افسوس آج وہ محترمہ کالج تشریف نہیں لائیں۔“ سدرہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”سدرہ کی بچی اس کے ذکر پر تو ٹھنڈی آہیں نہ بھر۔“ زیشانہ کو اس شہزادے گلفام کے بارے میں بتا‘ ایمان سے زیشانہ ایسا شاندار بندہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ اوپر سے اس کا کروفر‘ ہائے ظالم کسی کو لفٹ نہیں دیتا‘ بس اپنی سسٹر کو پک اینڈ ڈراپ کرتے وقت نظر آتا ہے۔“ صبا کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا۔

بہت ہی کم عرصے میں زیشانہ حسن اور فلک ناز احمد کی دوستی کے چرچے پورے کالج میں ہونے لگے کیونکہ زیشانہ بہت کم ہی کسی لڑکی کو دوست بناتی تھی‘ یوں تو اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ اچھی ہیلو ہائے تھی مگر کالج میں دوست کوئی نہ تھی۔ زیشانہ نے

Scanned with CamScanner

ابھی تک اس کے بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔

"فلک! ادھر کالج میں لڑکیوں کو بابا جان کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں' لوگ ویسے بھی جھوٹی سچی خبریں پڑھ کر خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔" علی نے چائے پیتے ہوئے بہن کو سمجھایا۔

"نہیں بھائی' ادھر میری کسی کے ساتھ اتنی بے تکلفی نہیں کہ میں اپنے بارے میں انہیں کچھ بتاؤں۔ بس دوستی ہوئی ہے تو ذیشانہ حسن کے ساتھ' وہ باقی تمام لڑکیوں سے مختلف ہے۔" فلک نے بھائی کے سامنے وضاحت پیش کی۔ ذیشانہ حسن کے نام پر علی نے بہن کی طرف دیکھا اور دوبارہ اخبار پر نظریں جما دیں۔

☆☆

"آغا جان! میرے کالج کو دیر ہو رہی ہے۔ ذیشانہ عجلت میں ناشتہ کرتی ٹیبل سے کھڑی ہوگئی۔

"ذیشانہ بیٹا' شیروان کے ساتھ چلی جاؤ۔" آغا جان کے مشورے پر اس نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ شیروان کا تو اسے پتا تھا کہ وہ اسپتال کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ پاپا صبح گاؤں چلے گئے تھے۔ وہ پریشانی کے عالم میں اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"بیٹا! اگر میری گاڑی ورکشاپ میں نہ ہوتی تو میں تمہیں خود ڈراپ کر آتا۔" آغا جان نے پیار سے اپنی پوتی کی طرف دیکھا۔

"آغا جان! اس مختار کے بچے کا حال دیکھیں' کل شام سے گاڑی لے کر غائب ہے۔ آخر میں کالج کیسے جاؤں۔" ذیشانہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ "آغا جان! پلیز آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیں بس پندرہ منٹ کا راستہ ہے۔ میں کالج آرام سے جا سکتی ہوں۔" ذیشانہ کے اصرار پر آغا جان نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

"اچھا بیٹی' خیال سے جانا اور اپنی چادر لے لو۔" آغا جان کی بات پر اس نے اپنی چادر اٹھائی اور ہاتھ ہلاتی گیٹ پار کر گئی۔

اس نے تقریباً بھاگتے ہوئے راستہ طے کیا۔ کالج گیٹ پر وہ دم لینے کے لیے رکی اور ماتھے پر آئے پسینے کو ٹشو سے صاف کیا۔ اسی لمحے کسی گاڑی کے بریک بالکل اس کے قریب پھر چرائے اگر وہ تیزی سے ایک طرف نہ ہو جاتی تو ٹکر لازمی تھی۔ اس نے غصے سے آنے والوں کی طرف دیکھا۔ فلک ناز گاڑی سے اتر کر اس کی طرف بڑھ آئی۔

"السلام علیکم' محترمہ خیر ہے۔ آج آپ گیٹ پر کیسے؟" فلک نے آتے ہی ذیشانہ سے پوچھا۔

"بس آج پیدل کالج آنا پڑا تو ذرا دم لینے کے لیے ادھر رک گئی۔" ذیشانہ نے مسکرا کر فلک کی طرف دیکھا اور پھر بات کرتے ہوئے نظر سامنے گاڑی میں بیٹھے علی احمد پر پڑی تو زبان کو ایک دم بریک لگ گئے۔ اس نے بے اختیار اپنی ڈھلکی ہوئی چادر کو سر پر جمایا' پتا نہیں اس شخص کی نظروں میں کیا تھا جو ذیشانہ حسن پزل ہوگئی۔

"فلک! ادھر گیٹ پر گپیں لگانا ضروری ہے کیا تم لوگ اندر جا کر بات نہیں کر سکتیں؟" علی نے خوامخواہ بہن کو ڈانٹ پلا دی۔

"بھائی! یہ ذیشانہ ہے' میری دوست جس کے بارے میں' میں نے آپ کو بتایا تھا۔" فلک' بھائی کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تعارف کروانے لگی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' تم لوگ اندر جاؤ۔" اس نے گاڑی ریورس کی اور ہاتھ ہلاتا نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"سوری ذیشانہ تم مائنڈ نہ کرنا' اصل میں بھائی جلدی میں تھے۔" فلک شرمندہ ہو کر بولی۔ دونوں گیٹ کراس کر کے اندر چلی گئیں۔

سارا دن ذیشانہ ڈسٹرب رہی۔ بار بار اس مغرور شخص کا چہرہ اس کے سامنے آجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس فیاضی سے اسے خوب صورتی عطا کی تھی اس کا رویہ اس سے بڑھ کر بدصورت تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان کی دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ ذیشانہ اکثر گھر میں فلک ناز کی باتیں کرتی' بی بی جان' آغا جان' مما' پپا' شیروان بھائی سب سے اس کا غائبانہ تعارف تھا۔ دونوں کے سیکنڈ ایئر کے پیپر ہو گئے مگر ایک دوسرے کے گھر جانے کا موقع دونوں کو نہ ملا۔ گرمیاں ختم ہوئیں تو ذیشانہ کو فلو نے آلیا۔ جس کی وجہ سے وہ کئی دن تک بستر پر پڑی رہی اور کالج بھی نہ جا سکی۔ اس کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو شیروان نے لانگ ڈرائیو کا پروگرام بنا لیا وہ تو بی بی جان اور مما کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر وہ دونوں راضی نہ ہوئیں ذیشانہ اور شیروان کافی دیر تک گلبرگ' کلفٹن وغیرہ گھوم پھر کر واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو شیروان نے آئس کریم پارلر کے آگے گاڑی روک دی اور اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

"سچی بھائی' بڑا مزا آیا بڑے دنوں کے بعد میں اپنے آپ کو بہتر فیل کر رہی ہوں۔" ذیشانہ آئس کریم کھاتے ہوئے بھائی سے مخاطب ہوئی۔

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

"آخر جنابہ ساتھ کس کا ہے' ڈاکٹر ساتھ ہو تو مریض کو افاقہ ہونا لازمی ہے۔" بھائی کی بات پر ذیشانہ حسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے اپنی چادر درست کی جو تیز ہوا کی وجہ سے سر سے ڈھلک گئی تھی۔

"ارے ذیشانہ تم اتنے دن کہاں غائب رہیں نہ فون' نہ کوئی اطلاع؟" فلک کی نظر ذیشانہ پر پڑی تو وہ فوراً اس کی طرف بڑھ آئی۔ "کیسی ہو فلک؟" ذیشانہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"شیری بھائی! ان سے ملیں۔ یہ ہے میری دوست فلک اور فلک! یہ میرے بھائی شیروان حسن۔"

فلک نے ایک نظر اس مسکراتے لڑکے پر ڈالی اسے یوں لگا جیسے وہ اس سے کئی بار مل چکی ہو۔

"السلام علیکم فلک بہن' کیسی ہیں آپ' ذیشانہ ہر وقت آپ کا ذکر کرتی ہے۔" شیروان بڑی گرم جوشی سے اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شیروان بھائی۔" فلک ناز کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔ شیروان کی نظر فلک ناز کے برابر کھڑے بندے پر پڑی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہیلو سر' اس ناچیز کو ڈاکٹر شیروان حسن کہتے ہیں۔" اس نے بڑی گرم جوشی سے اپنا ہاتھ اس بندے کی طرف بڑھایا جو اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سب کا بڑی گہری نظروں سے جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے بڑے روڈ انداز میں اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام علی احمد ہے۔ میں نے کچھ دن پہلے یہاں کراچی میں اپنا بزنس سیٹ کیا ہے۔" شیروان نے بڑے خلوص سے انہیں آئس کریم کی آفر کی تو نہ چاہتے ہوئے علی احمد کو اس کی آفر قبول کرنی پڑی۔ شیروان تو اپنے مزاج کے مطابق ہر ایک سے جلد فری ہو جاتا تھا وہ اس وقت بھی علی کو کمپنی دینے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ علی اس کی ہر بات کا جواب بڑے نپے تلے انداز میں دے رہا تھا اس نے ایک نظر اپنی ریسٹ واچ پر ڈالی۔

"اچھا جی' اس وقت اجازت آپ کا بہت شکریہ! جناب شیروان حسن۔ او کے بیسٹ آف لک۔" علی نے ہاتھ ملاتے ہوئے شیروان کا شکریہ ادا کیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

علی کافی دیر سے اپنے آفس کی ٹیبل پر دھری فائلوں میں مصروف تھا۔ چونکا تو اس وقت جب اس کے کمرے کا دروازہ ایک زوردار دھماکے سے کھلا اور کوئی بڑی بے تکلفی سے اندر چلا آیا۔ اس نے حیرانی سے آنے والوں کی طرف دیکھا اور عارف کے ساتھ ساتھ نظر شاہ نیل پر پڑی تو وہ تیزی سے عارف کی طرف بڑھا اور اسے گلے لگا لیا۔

"بس یار بہت ہو چکی منہ دیکھے کی خوشامد گلے تو یوں آ کر لگا ہے ظالم جیسے میرے لیے مرا جا رہا تھا۔ عارف نے علی کی پیٹھ پر ایک زوردار طریقے سے دھپ لگائی۔

"ایک دو منٹ کے لیے انسانوں کی طرح بات کر لے۔ بس آتے ہی تیری زبان قینچی کی طرح چلنے لگتی ہے۔" علی عارف کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ "اچھا سامنے سے ہٹو' شاہ نیل سے ملنے دو۔" علی نے عارف کو دھکیلا اور شاہ نیل کی طرف بڑھ آیا۔ شاہ نیل' علی کا چھوٹا بھائی تھا۔

"شاہ نیل! بابا کا کیا حال ہے؟" علی شاہ نیل سے مخاطب ہوا۔ اسی دوران ملازم چیزیں رکھ کر جا چکا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے' اچانک علی کو فلک کا خیال آیا۔ "شاہ نیل! تم فلک کو کالج سے لے کر گھر چلے جاؤ اور ہاں اس سے کہنا کہ ہم لوگ لنچ گھر آ کر کریں گے۔"

شاہ نیل اپنے بھائی کے مزاج کے برعکس تھا' ہر دم ہنستا مسکراتا رہتا تھا۔ گھر میں اسی کے دم سے رونق تھی۔ عارف لاہور کا رہنے والا تھا دونوں ایک ساتھ امریکہ میں پڑھے تھے۔ علی ایک دو بار عارف کے والد سے مل چکا تھا اور دل سے ان کی عزت کرتا تھا۔ عارف اور شاہ نیل دو چار روز کراچی میں رہے اور پھر واپس چلے گئے۔

آج صبح سے بادل پورے آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔ علی لان میں بیٹھا اپنی فائلیں دیکھ رہا تھا۔

"بھائی! مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے' پلیز کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ بازار چلیں۔" فلک کی آواز پر علی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"موسم دیکھ رہی ہو۔ آرام سے بیٹھو۔" علی نے اسے ٹالا۔

"بھائی! تھوڑی دیر کے لیے چلیں' مجھے ضروری چیزیں لینی ہیں۔ بس جلدی واپس آ جائیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔" علی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ فلک منہ بنا کر بالکل علی کے قریب خاموشی سے بیٹھ گئی۔ کام کرتے کرتے اس کی نظر بہن پر پڑی تو اس کی شکل دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔

"چلو فلک' بازار چلتے ہیں۔" فلک نے حیرانی سے بھائی کی طرف دیکھا اور پرس لے کر فوراً اس کے ساتھ چل دی۔ کیا

Scanned with CamScanner

پتا کب موڈ بدل جائے ویسے بھی وہ بھائی سے بہت ڈرتی تھی کیونکہ اس کا رویہ ہمیشہ بزرگوں والا ہوتا تھا۔ جلدی جلدی کرتے بھی چار پانچ گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ لوگ مارکیٹ سے باہر آئے تو بادل پورے آسمان پر چھا چکے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

"سامان جلدی رکھو گاڑی میں' دیکھ رہی ہو بارش شروع ہو چکی ہے۔" علی کا موڈ آف ہو گیا جب کہ فلک دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی کہ اتنا پیارا سماں ہو گیا تھا۔ انہوں نے مشکل سے تین چار منٹ کا راستہ طے کیا ہو گا کہ چھاجوں مینہ برسنے لگا۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ گاڑی نظر آجاتی۔ علی بڑے محتاط طریقے سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"بھائی! وہ دیکھیں گاڑی۔" فلک نے علی کی توجہ سامنے کھڑی گاڑی کی طرف دلائی جہاں ایک لڑکی اور آدمی اس گاڑی کو دھکا لگا رہے تھے۔ اس طوفانی بارش میں دونوں اپنی پرواہ کیے بغیر گاڑی پر زور لگا رہے تھے۔

"پلیز بھائی' گاڑی ان لوگوں کے پاس روک دیں۔ شاید ان لوگوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔" فلک بڑے نرم دل کی تھی۔ علی نے اپنی گاڑی ان کے قریب آکر روکی۔

"ذیشانہ تم؟" فلک اسے دیکھ کر چلائی۔ ڈرائیور ان لوگوں کی طرف بڑھ آیا جب کہ ذیشانہ علی کو دیکھ کر رک گئی۔

"ذیشانہ پلیز' جلدی آؤ ہم تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔" ذیشانہ کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کیونکہ علی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں فلک' تم لوگ جاؤ۔" ذیشانہ کی آواز نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"پتا نہیں لوگوں کا دماغ کیوں اتنا خراب ہے۔ انجوائے منٹ کے چکر میں اکیلے گھر سے چل پڑنا اور پھر دوسروں کو ذلیل کرنے کے لیے اتنی گھٹیا ادائیں دکھانا۔" علی کی بات پر فلک نے حیرانی سے بھائی کی طرف دیکھا جب کہ ذیشانہ کا چہرہ اتنی انسلٹ پر تپ گیا۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اتری اور بارش میں بھیگتی ذیشانہ کا ہاتھ پکڑا اور گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر دھکیل دیا۔

"اچھا ذیشانہ بی بی آپ جاؤ میں گاڑی میں بیٹھ کر بارش رکنے کا انتظار کرتا ہوں۔" ڈرائیور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ذیشانہ سردی اور خوف کے ملے جلے اثر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھا شخص اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

"پلیز ذیشانہ ریلیکس ہو کے بیٹھو' میں نے تمہیں آگے اس لیے بٹھایا ہے کہ تم ہیٹر کی ہیٹ لے کر فریش ہو جاؤ۔" فلک نے ذیشانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جب گھر سے محترمہ انجوائے منٹ کے لیے نکلی ہیں تو تم انہیں انجوائے کرنے دیتیں کیا ضرورت تھی زبردستی لادنے کی۔" گویا وہ انگارے چبا رہا تھا۔ ذیشانہ حسن تو گھر بھر کی لاڈلی تھی' ایسے رویوں کی تو وہ عادی نہ تھی۔ علی احمد کا ہتک آمیز رویہ اسے رونے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کا دل تو بہت کر رہا تھا کہ وہ کون ہوتا ہے اس پر رعب ڈالنے' اسے وہ کھری کھری سنائے کہ محترم کے ہوش ٹھکانے آجائیں مگر فلک ناز کا خیال کر کے وہ چپ رہی۔ فلک نے اس پر اپنی نئی شال ڈال دی۔ وہ اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ مگر چھینکوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا۔

"ذیشانہ کہاں گئی تھیں؟" فلک نے آخر وہ سوال کر ڈالا جو علی کو کافی دیر سے بے چین کر رہا تھا۔

"شیروان بھائی کے پاس گئی تھی۔ ان سے کچھ کام تھا۔" اس نے ٹشو پیپر سے اپنی ناک اور آنکھوں سے بہتا پانی صاف کیا۔

"فلک پلیز دو چاکلیٹ دینا۔" علی نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ "یہ لیں محترمہ' آپ کی حالت بتا رہی ہے کہ اگر کچھ دیر آپ کو کھانے کو کچھ نہ دیا گیا تو آپ ویک نس کے مارے بے ہوش ہو جائیں گی اور پھر اس طوفانی موسم میں لینے کے دینے پڑ جائیں۔" وہ ہاتھ اس کے آگے پھیلائے پتا نہیں کیا جتانا چاہ رہا تھا۔

"نو تھینکس۔" ذیشانہ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

"او کے جیسے آپ کی مرضی۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"فلک! کدھر جانا ہے؟" علی نے موڑ کاٹتے ہوئے ہولے سے پوچھا۔

"بھائی گھر چلیں' کچھ دیر ذیشانہ ریسٹ لے گی پھر ہم اسے گھر ڈراپ کر آئیں گے۔"

"نہیں فلک' پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے آغا جان پریشان ہو رہے ہوں گے۔" ذیشانہ کی بات پر علی نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا۔

"اوہ آپ کے آغا جان پریشان بھی ہوتے ہیں۔" علی کے انداز پر ذیشانہ کے ساتھ ساتھ فلک بھی حیران تھی۔ پتا نہیں

Scanned with CamScanner

وہ کیوں مبہم لفظوں میں بات کررہا تھا۔ ذیشانہ نے بے بسی کے احساس سے آنکھیں موند لیں۔ اتنا بھی یاد نہ رہا کہ گھر کا ایڈریس ہی بتادیتی۔ چونکی تو اس وقت جب گاڑی ان کے گھر کے گیٹ پر رکی۔

''فلک! تم لوگ بھی اندر چلو۔'' ذیشانہ نے بڑے خلوص سے دعوت دی۔

''جی نہیں شکریہ۔ آپ کی آفر کا، ہم ہرایرے غیرے کے گھر جانا پسند نہیں کرتے۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی آگے بڑھا لے گیا اور وہ حیرانی سے جاتی گاڑی کو تکتی رہی۔ گھر میں قدم رکھا تو ممی پپا بی بی جان کے ساتھ آغا جان بھی برآمدے میں ٹہلتے ہوئے نظر آئے۔

''السلام علیکم۔'' اس نے چاروں کو سلام کیا۔

''کہاں رہ گئی تھی میری بچی۔'' بی بی جان نے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''بس بی بی جان، موسم کی وجہ سے راستے میں پھنس گئی۔''

''ذیشانہ بیٹا! کس کے ساتھ آئی ہو؟'' یہ آواز پاپا کی تھی۔

''وہ پپا فلک چھوڑ گئی ہے۔''

''بیٹا! اس کو اپنے ساتھ اندر لے آئیں۔'' آغا جان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ ذیشانہ سردی کی وجہ سے تھرتھر کانپ رہی تھی۔

''اچھا ذیشانہ بیٹا، تم اپنے کمرے میں جاکر کپڑے چینج کرلو میں تمہارے لیے چائے بنواتی ہوں۔'' مما کو اس کی حالت دیکھ کر احساس ہوا کہ وہ کتنی بھیگ چکی ہے۔ کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔ جب وہ اپنے بیڈ پر لیٹی تو آنکھوں کے سامنے آج کے مناظر کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔ وہ حیران تو اس بات پر تھی کہ علی کو ان کے گھر کا راستہ کس نے بتایا تھا۔ فلک تو آج تک ان کے گھر نہیں آئی تھی پھر وہ کس طرح ان کے گھر تک آ گیا؟ سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا مگر اس شخص کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آیا۔

☆☆

علی نے اپنا بزنس اسٹارٹ کیا تو بہت مصروف ہوگیا آفس کو اسٹیبلش کرنا، پھر نئے ورکر اس کا سارا سارا دن آفس میں گزر جاتا وہ تو ایک مشین کی طرح دن رات بزی تھا۔ اسے تو کھانے پینے تک کا ہوش نہ تھا۔ بس ایک کام ایسا تھا جس کے لیے وہ اپنی تمام مصروفیات ترک کردیتا تھا اور وہ تھا فلک ناز کو پک اور ڈراپ کرنا۔ دنیا چاہے ادھر کی ادھر ہوجائے مگر اس نے فلک کو کبھی اکیلے ڈرائیور کے ساتھ کالج نہ جانے دیا۔ وہ جب امریکہ میں تھا تو اس نے بابا کو ہدایت کررکھی تھی کہ حیدرآباد میں وہ خود یا شاہ نیل اسے چھوڑ آئیں۔ پتا نہیں وہ اس معاملے میں اتنا حساس کیوں تھا۔ اب تو اسے اماں اور بابا کے ساتھ فون پر بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔

آج جب وہ آفس سے اٹھا تو راستے میں بس یہ ہی سوچتا آیا کہ گھر جاکر سب سے پہلے بابا اور اماں کو فون کرکے ڈھیروں باتیں کرے گا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی نظر سامنے کھڑے بابا پر پڑی تو وہ دوڑ کر ان کے گلے لگ گیا۔

''آپ کب آئے بابا؟'' وہ ان کے گلے میں بازو ڈالے اندر کی طرف چل پڑا۔ ''بابا اماں کیسی ہیں؟'' وہ بار بار ان کی طرف دیکھ کر یہ یقین کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ کیا واقعی بابا اس کے سامنے ہیں۔ بابا میں تو اس کی جان تھی۔ ''اماں کی نظر اندر آتے اپنے خوب صورت بیٹے پر ٹھہر گئی۔ جو اپنے باپ کو بازوؤں میں سنبھال کر یوں لارہا تھا جیسے وہ چھوٹے سے بچے ہوں۔

''ارے واہ اماں بھی آئی ہیں، آج تو کمال ہوگیا۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہورہا تھا۔

''کیسے ہو جان پدر؟'' دونوں کی نظریں اس وقت بیٹے پر جمی تھی۔

اماں، بابا آئے تو اس نے انہیں اپنا آفس دکھانے کے ساتھ ساتھ کراچی کی سیر بھی کرائی۔

''فلک! بات سنو ذیشانہ کے بارے میں بابا یا اماں کے سامنے کوئی بات نہ کرنا۔'' علی فلک کے پاس کھڑا تنبیہ کررہا تھا۔

''مگر کیوں بھائی؟'' وہ ذیشانہ کے معاملے میں بھائی کے رویے پر حیران تھی۔

''بس میں نے کہہ دیا اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں وضاحتیں پیش نہیں کرتا۔'' اس نے ایک نظر حیران کھڑی فلک پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

اماں بابا کچھ دن ادھر کراچی میں رہ کر واپس حیدرآباد جاچکے تھے۔

آج شاہ زر علی خان اپنے آفس سے جلدی اٹھ آیا کیونکہ صبح سے طبیعت بوجھل تھی اور سر میں بھی درد ہورہا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے وہ بار بار اپنے سر کو ہاتھ سے دباتا، بڑے محتاط طریقے سے گاڑی چلا رہا تھا کہ اچانک نظر سامنے کھڑی گاڑی

پر پڑی جہاں ذیشانہ حسن اکیلی بیٹھی آتی جاتی ٹریفک کو انجوائے کررہی تھی۔ انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے اس وقت اس سے بڑھ کر اور تفریح نہ ہو۔ ایک تو سر میں درد تھا' دوسرے ذیشانہ پر نظر پڑتے ہی دماغ کھولنے لگا' وہ عجلت میں گاڑی سے اترا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ذیشانہ حسن کی کار کا دروازہ بجا رہا تھا۔ ذیشانہ نے ایک لاپرواہ نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ سے سڑک پر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ محترم آپ آج لاکھ دروازے بجائیں' مگر یہاں کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ وہ چیونگم چباتی اسے زہر لگ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار آواز دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بلکہ سیٹ سے سر اٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ علی نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ یار علی آخر کراٹے کس دن کام آئیں گے۔ اس کے دماغ نے اسے مشورہ دیا۔ ذیشانہ حسن اچھلی تو اس وقت جب اس کے سامنے والا شیشہ ایک زوردار چھناکے سے ٹوٹا اور علی لاک کھول کر اس کے برابر آبیٹھا۔

"آخر آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں مس حسن؟" وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔ ذیشانہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ سے مطلب۔" ایک تو گاڑی خراب ہوگئی اوپر سے اس بدلحاظ کی بے ہودہ حرکت' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیا کرے۔

"محترمہ آخر آپ کو اتنا شوق کیوں ہے یوں سڑکوں پر اپنی نمائش کروانے کا۔" یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی کچا چبا ڈالے گا۔

"دیکھیے محترم' آپ اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اگر آپ فلک ناز کے بھائی نہ ہوتے مسٹر علی تو میں ابھی آپ کے دماغ درست کردیتی۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری میری گاڑی کا شیشہ توڑ کر اوپر سے ایسی حرکتیں۔" ذیشانہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی یوں اکیلے گھومتے ہوئے' کیا شریف لڑکیوں کے یہ ہی لچھن ہوتے ہیں۔" غصے کی وجہ سے اس کی آنکھیں لال ہورہی تھی۔ ماتھے کی نیلی رگیں ابھر آئی تھی۔ چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے دہکتا انگارہ۔ وہ آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔

"شرافت سے نیچے اترو اور میری گاڑی میں چل کر بیٹھو۔" وہ بغیر لحاظ کے بولا۔

"مگر میری گاڑی۔" ذیشانہ نے نیچے اترتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف دیکھا۔

"آپ کی گاڑی کھا نہیں جاؤں گا محترمہ۔" گویا جواب دینا لازمی تھا۔ وہ چپ چاپ آکر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"سنو' میں تمہیں ڈرائیور نظر آتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اس کے سر پر دھاڑ رہا تھا۔

"جی۔" ذیشانہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا جو گاڑی کا دروازہ کھولے اسے گھور رہا تھا۔

"زیادہ نخرے کرنے کی ضرورت نہیں۔ آگے چل کر بیٹھو۔"

"وہ .... میں.... ادھر ٹھیک ہوں۔" ذیشانہ نے اپنی ڈھلکتی چادر سر پر جمائی۔

"ایک دفعہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتا ہوا وہ آگے بڑھا اور فرنٹ سیٹ پر لا پٹخا۔ دوسری طرف آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ پیچھے سے آگے تک آنے میں ذیشانہ کو دن میں تارے نظر آنے لگے وہ اپنے حواس بحال کررہی تھی کیونکہ پچھلے آدھے گھنٹے سے شاک کی سی کیفیت میں تھی۔ ذرا سنبھلی تو اپنے ساتھ بیٹھے بندے پر نظر ڈالی جو ماتھے پر کئی بل ڈالے خاموشی سے ڈرائیو کررہا تھا۔

"آخر آپ کون ہوتے ہیں مجھ پر رعب ڈالنے والے؟" ہمت کر کے وہ بول پڑی۔ علی نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر یوں لاپرواہ ہوگیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"محترم! میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔" ذیشانہ کے انداز میں اتنی سادگی اور معصومیت تھی کہ شاہ زر علی خان جیسا بندہ جو سارے جہاں میں اکھڑ مشہور تھا اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "کوئی بات نہیں مس حسن صاحبہ' رعب ڈالنے کے لیے کسی رشتے یا تعلق کی ضرورت نہیں ہوتی' آپ تو ویسے بھی فلک کی دوست ہیں۔ لڑکیوں کو یوں اکیلے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے یہ تو میں تھا اگر کوئی دوسرا بندہ ایسی حرکت کر کے آپ کو کیڈنیپ کرلیتا تو پھر؟" وہ بڑی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

"آج پہلی دفعہ تو اکیلی نکلی ہوں' ورنہ ڈرائیور ساتھ ہوتا ہے۔" اس کی وضاحت علی کو ہنسنے پر مجبور کرگئی۔ بات یوں کررہی تھی جیسے کہنا چاہتی ہو کہ اس غلطی کی سزا بھگت چکی ہوں۔

"دیکھیے مسٹر علی آپ ہنس ہنس کر خوامخواہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ اس کے ہنسنے پر جل ہی تو گئی۔

"بائی داوے مس حسن اپنی گاڑی کے بارے میں گھر والوں

Scanned with CamScanner

کو کیا بتائیں گی؟" اس نے موڑ کاٹتے ذیشانہ سے سوال کیا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا مسٹر علی؟ میرے گھر والوں کو مجھ پر پورا اعتماد ہے۔" اپنی توہین پر اس کی آنکھیں بھر آئیں مگر کمال ضبط سے اس نے اپنے تمام آنسو اپنے اندر اتار لیے۔ وہ اس بے درد انسان کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔
"اچھا' اچھا' اس کا مطلب ہے کہ میرے شیشے توڑنے سے لے کر فرنٹ سیٹ تک آنے کا تمام احوال ان کے گوش گزار کریں گی۔" گویا وہ اس سچویشن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
"اتنی پاگل نہیں ہوں کہ سب بتادوں گی۔" ذیشانہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا جب کہ وہ بڑی لاپرواہی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
"جھوٹ بولیں گی آپ پھر تو آپ کی فیملی غلطی پر ہے جو آپ پر اعتبار کرتی ہے۔" وہ کافی دیر بعد بولا۔ وہ اس کی بات پر چیخ پڑی۔
"یہ دھمکیاں تم کسی اور کو دینا' اپنا موڈ ٹھیک کرلو تمہارا دولت کدہ آنے والا ہے۔" وہ پھر سے پٹڑی سے اترنے لگا۔ گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تو وہ اپنی چادر ٹھیک کرتی نیچے اتر گئی۔
"اگر تم مجھے دوبارہ اکیلی نظر آئیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اور ہاں سنو۔ تمہاری گاڑی ورکشاپ میں ہوگی۔ ڈرائیور کو کہہ کر منگوا لینا اللہ حافظ۔" وہ کہتا ہوا گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔
ذیشانہ حسن اس عجیب و غریب بندے کے بارے میں سوچتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆

عارف بغیر اطلاع آن پہنچا تھا اور اب کافی دیر سے علی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔
"یار علی! اس دفعہ بہت مزا آیا تمہارے گوٹھ جا کر۔" عارف آتے ہی شروع ہو گیا تھا۔
"کسی مٹیار سے آنکھ تو نہیں لڑا آئے۔" علی نے شرارت سے عارف کی طرف دیکھا۔
"سب کو اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے۔" ادھار رکھنے کا تو وہ قائل نہ تھا۔
"مطلب کیا ہے تمہارا؟" علی نے عارف کو گھورا۔
"جناب! آپ تو بچپن سے کسی کے زلف کے اسیر ہیں۔" عارف آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آ رہا تھا۔
"گوٹھ کیا کرنے گئے تھے؟" انداز ایسا تھا جیسے عدالت میں جج مجرم سے پوچھتا ہے۔
"جھک مارنے گیا تھا۔" عارف تپ ہی تو گیا تھا اس کے انداز پر۔
"اوہو تو محترم جھک مار کر لطف بھی لیتے ہیں۔" علی بدستور اسی موڈ میں تھا۔
"دماغ خراب ہے میرا جو تمہاری اس منحوس شکل کو دیکھنے کے لیے دوڑا آتا ہوں۔ اچھا مسٹر اللہ حافظ۔" عارف نے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔
"ارے یار کیا کر رہے ہو بھلا میں تمہارے بغیر جی سکتا ہوں۔" علی نے اس سے زیادہ پھرتی دکھائی اور اسے دروازے پر جالیا۔
"بات مت کرنا مجھ سے۔" عارف نے اسے پرے دھکیلا۔
"سوری یار میری توبہ جو پھر کبھی تمہاری شان میں گستاخی کروں۔" علی نے اپنے کان پکڑ لیے۔
"ہوں تو اب آئے ہو نا بچو لائن پر۔"
"یار بابا کا کیا حال تھا۔ تم ان کے ساتھ گوٹھ گئے تھے؟" علی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
"تمہارے بابا بالکل ٹھیک ہیں۔ میں ان کے ساتھ شکار کھیلنے گیا تھا۔" عارف نے اپنی مصروفیت بتائی۔
"بڑے خراب ہو تم شکار کھیلتے رہے اور میں یہاں جھک مارتا رہا۔" علی نے منہ بنا کر کہا۔
"یار علی! تم سے ضروری بات کرنی ہے لیکن غور سے سننا۔" عارف اس کی بات کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ کافی سیریس لگ رہا تھا۔
"علی! تمہارے بابا آج کل بڑے پریشان ہیں۔"
"یار! وہ ٹھیک تو تھے نا۔" وہ بے چینی سے بولا۔
"آخر تم ان کی بات مان کیوں نہیں لیتے۔"
"کون سی بات؟" سمجھ تو وہ اچھی طرح گیا تھا مگر عارف کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔
"وہ چاہتے ہیں اب تم شادی کرلو۔" عارف کی بات پر علی کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔
"ضرور کروں گا۔" علی کے تو آج انداز ہی نرالے تھے۔
"تو پھر انکل کو خوش خبری سناؤ کہ وہ سومرو صاحب کی بیٹی کا پروپوزل لے کر جائیں۔" عارف نے خوش ہو کر کہا۔
"دفعہ کر اس قصے کو' میری تو بچپن سے بات پکی ہے۔" علی نے شرارت سے اسے دیکھا۔

Scanned with CamScanner

"رہی نہ وہی مرغے کی ایک ٹانگ' اتا پتا معلوم نہیں مگر صاحبزادے کی بات طے ہے' چاہے اس کی شادی کسی اور سے ہوگئی ہو مگر مجنوں صاحب فراق میں ہیں۔" عارف جل ہی تو گیا بات کا یہ اثر دیکھ کر۔

"تم لوگ فکر نہ کرو' میں سب کچھ کرلوں گا۔ وہ لوگ جلد مل جائیں گے۔" علی کافی پرسکون لگ رہا تھا۔

"سال سے تو اوپر ہونے کو آیا ہے' تجھے تلاش کرتے ہوئے مگر تیری منگ نہ ملی اور کتنا ٹائم ضائع کرے گا کچھ تو اپنے بابا کا خیال کرلے۔"

"یار یہ سب بابا کے لیے تو کر رہا ہوں۔" وہ ایک دم سیریس ہوگیا۔

"مثلاً کیا کر رہے ہو تم؟"

"جب کچھ کرلوں گا تو سب سے پہلے تمہیں بتاؤں گا۔" علی نے اپنے گھنے بالوں کو اوپر کیا جو بار بار ماتھے پر آنے کی کوشش میں تھے۔ "یار تم بابا کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنا' وہ تو آج کل مجھ سے ناراض ہیں۔ فون پر بھی نہیں ملتے' گھر گیا تھا مگر وہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے تھے بابا نے تو کئی بار اماں وغیرہ سے کہا ہے۔ اسلام آباد شفٹ ہو جائیں روز روز حیدرآباد سے اسلام آباد جانا مشکل ہو جاتا ہے مگر اماں نہیں مانتیں۔" علی کافی دیر عارف سے اپنے گھر کے حالات کے متعلق ڈسکس کرتا رہا۔

"اچھا یار علی' میں اب چلتا ہوں۔ تم کچھ کرو ورنہ انکل تمہارا رشتہ سومرو صاحب کی دختر سے پکا کر دیں گے۔" عارف نے اسے چھیڑا۔

"بکواس نہ کر' خوامخواہ کسی کی بیٹی کا نام کسی سے منسوب کرنا کہاں کی شرافت ہے۔" علی کو عارف کی بات بہت بری لگی۔

"ارے یار فکر کیوں کرتا ہے' ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ میں یہاں سے سیدھا حیدرآباد جاؤں گا انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" عارف جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔

"گھر میں سب کو میرا اسلام کہنا۔ اچھا اللہ حافظ۔" عارف اس سے ہاتھ ملاتا ہوا باہر کی طرف چلا گیا۔

☆☆

فلک ناز حیدرآباد گئی ہوئی تھی' ذیشانہ کا اس کے بغیر کالج میں دل نہ لگتا۔ وہ آج بہت بور ہو رہی تھی' کیونکہ دو تین پیریڈ فری تھے۔ اس کی اکثر کلاس فیلوز آج نہیں آئی تھیں۔ اس کا بڑا دل کر رہا تھا کہ یوں ہی واک کرتے گھر چلی جائے مگر پتا نہیں کیوں اس شخص کی گھورتی نظریں اور پتھر لہجہ اکیلے جانے سے روک دیتا آخر خدا خدا کر کے چھٹی کا ٹائم ہوا تو وہ گیٹ پر آ کر ڈرائیور کا انتظار کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی مس حسن۔" علی کی آواز پر یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"آپ؟" اس نے ڈرتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "پتا نہیں موڈ کیسا ہے۔" وہ دل ہی دل میں اندازے لگانے لگی۔ مگر اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کیونکہ وہ بندہ ہی اتنا ٹف تھا اور تو کچھ نہ سوجھا جھٹ سلام جھاڑ دیا۔ علی نے سر کے اشارے سے اسے جواب دیا۔

"مس حسن! میں اس لیے آیا ہوں فلک نے مجھے آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔" وہ ہاتھ میں کی چین گھماتا اس سے مخاطب تھا۔

"فلک حیدرآباد سے کب آئی ہے؟" ذیشانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ کل شام کو واپس آ گئی تھی۔ اصل میں اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ پلیز آپ جلدی کریں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بہت عجلت میں لگ رہا تھا۔

"دیکھیں میں کیسے چلوں ابھی ڈرائیور آتا ہوگا مجھے لینے' کم از کم میں اسے بتا تو دوں نہیں تو سب لوگ پریشان ہوتے رہیں گے۔" وہ پریشانی سے اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔

"آپ کا ڈرائیور آیا ہوا تھا' میں نے اسے سب بتا دیا' پلیز دیر نہ کریں۔" اس نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ ذیشانہ نے دیکھا بلیک کلر کے تھری پیس سوٹ میں بڑا سوبر لگ رہا تھا۔ چہرے سے صاف نظر آ رہا تھا کہ ڈسٹرب ہے۔ ذیشانہ پہلی بار اسے تھری پیس سوٹ میں دیکھ رہی تھی ورنہ اس سے پہلے ہمیشہ شلوار سوٹ میں کاندھے پر ایک سائڈ سے شال ڈالے کوئی وڈیرہ لگتا تھا۔ مگر آج تو اس کی تج دھج ہی نرالی تھی مگر چہرے پر پریشانی کی تحریر نمایاں تھی۔ وہ جو بڑے غور سے اس کا جائزہ لے رہی تھی دل کی کیفیت پر حیران رہ گئی کہ پتا نہیں وہ کیا سوچ رہا تھا۔

"اگر آپ میرا پوسٹ مارٹم کر چکی ہوں تو پلیز جلدی چلیں' دیر ہو رہی ہے۔" علی کی بات پر وہ شرمندہ ہوگئی اور گاڑی کی طرف بڑھ آئی۔ علی خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا جب کہ وہ

digestlibrary.com
Scanned with CamScanner

دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی کہ پتا نہیں اس نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا کہ کیسی فضول لڑکی ہوں۔ تمام راستہ خاموشی سے کٹا پھر گاڑی خوب صورت سے پھولوں سے ڈھکے بنگلے کے پورچ میں رکی۔ علی نے اتر کر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ لوگ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے ٹھہر گئے۔

''مس ذیشانہ! آپ اس کمرے میں کچھ دیر میرا انتظار کریں۔ میں اپنی فائلز لے آؤں۔'' علی اس کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔

''فلک کہاں ہے؟'' اس نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''فلک اسپتال میں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں یہ بیڈ روم اسی کا ہے۔ مجھے ادھر سے کچھ ضروری فائلز لینی تھیں' دوسری بات یہ ہے کہ آپ ڈریس چینج کرلیں۔ یوں کالج یونیفارم میں پھرنا عجیب لگتا ہے۔'' علی اس وقت بڑے دھیمے انداز میں بول رہا تھا۔

''مگر میرے پاس تو کپڑے نہیں ہیں۔'' ذیشانہ بہت ڈسٹرب لگ رہی تھی۔

''یہ لیں فلک کا سوٹ ہے' پلیز آپ جلدی کریں' جب تک میں اپنی فائلز لے آؤں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ ذیشانہ نے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ فان کلر کا خوب صورت کام والا کاٹن کا سوٹ اس کے سامنے تھا' دامن پر چھوٹے چھوٹے پھولوں کے درمیان پھندنے لگائے گئے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں فلک کی چوائس کی داد دی اور کپڑے لے کر واش روم میں چلی گئی جب وہ فریش ہو کر آئی تو وہ اپنی نظریں ریسٹ واچ پر جمائے داخلی دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ اپنا پرس لے کر علی کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ علی نے ایک نظر ذیشانہ پر ڈالی جو کسی گہری سوچ میں اپنا نچلا ہونٹ کاٹتی بڑی دلفریب لگ رہی تھی۔ کچھ راستہ تو یوں ہی خاموشی سے کٹا۔

''ذیشانہ! ہم لوگ کورٹ جا رہے ہیں۔'' وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''مگر کیوں؟'' ذیشانہ نے حیرانی سے علی کی طرف دیکھا۔

''کورٹ میرج کرنے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ علی کا جواب تھا یا کوئی آتش فشاں پھٹا تھا جس کی زد میں ذیشانہ حسن کا پورا وجود آ چکا تھا۔

''آپ ہوش میں تو ہیں؟'' غم و غصے کی شدت سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

''زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں' تم اب اتنی بچی بھی نہیں ہو جو کورٹ میرج جیسے لفظ سے نا آشنا ہو اور مس حسن یہ تم اچھی طرح جان لو کہ میں اپنی بات کی وضاحت دوبارہ کسی کے سامنے پیش نہیں کرتا انڈر اسٹینڈ۔'' برفیلا لہجہ سلگتا انداز اس کے اندر تک سناٹے بکھیرتا چلا گیا۔

''پلیز ایسا مت کریں' نہ تو آپ میرے بارے میں جانتے ہیں اور نہ میں۔ کیا دو اجنبی لوگوں کا ملاپ ہو سکتا ہے۔'' ذیشانہ منت پر اتر آئی۔

''تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو' تم کون ہو' کیا ہو' سب معلوم ہے مجھے۔ باقی رہا تمہارے جاننے کا سوال تو تمہارے لیے یہ ہی بہت ہے کہ شاہ زر علی خان تمہیں اپنا نام دے رہا ہے۔'' مگر یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''آخر میں نے یا میرے گھر والوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ ہوش میں نہیں لگ رہی تھی۔

''اگر تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو لحاظ بالکل نہیں کروں گا۔ اپنے یہ مگرمچھ کے آنسو صاف کرلو۔ اس وقت نہ خود تماشا بنو اور نہ مجھے کچھ کرنے پر مجبور کرو۔ نکاح تو ہر حالت میں ابھی' اسی وقت اور کورٹ میں ہوگا۔'' وہ گاڑی روک کر نیچے اتر گیا۔ ذیشانہ نے آس پاس دیکھا کافی لوگ کورٹ کے باہر جمع تھے۔ اس نے ایک بے بس نظر اس کٹھور انسان پر ڈالی اور آنسو ضبط کرتی اس کے ساتھ چل پڑی۔ میرج پیپر پر سائن کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کا ضبط جواب دے گیا اور وہ پوری شدت سے رو دی۔ جج نے بڑی ترحم آمیز نظروں سے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔

''کیا بچی کی رضا شامل نہیں ہے صاحبزادے؟'' جج کے سوال پر ایک لمحے کے لیے تو وہ گھبرا گیا۔ لیکن جلد ہی بات بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

''وہ سر! اگر ایسے موقعوں پر ماں باپ نہ ہوں تو ہر لڑکی جذباتی ہو جاتی ہے۔''

''اوو ویری سیڈ۔'' جج نے افسوس کیا۔ ذیشانہ نے ایک لمحے کے لیے اس کٹھور شخص کو دیکھا جو بات بن جانے پر خوش لگ رہا تھا۔

کورٹ سے باہر آتے ہی ذیشانہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رسوائی اور بدنامی کے پاتال میں دھنستی جا رہی ہو۔

Scanned with CamScanner

اسے اپنے اردگرد کی کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی تیورا کر گر پڑے گی' چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ بس ایک زندہ لاش کی طرح اپنا وجود گھسیٹتی آگے بڑھ رہی تھی۔ علی نے اس کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی حالت کو دیکھا تو سہارا دینے کے لیے اس کی طرف بڑھ آیا مگر ذیشانہ حسن نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نفرت سے جھٹک دیا۔ علی کو یوں محسوس ہوا جیسے ابھی اس نے کسی برف کی ڈلی کو چھو لیا ہو۔

"پلیز' اپنے آپ کو سنبھالو' اگر یوں ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھو گی تو مسئلہ ہو جائے گا۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ خود تیزی سے دوسری طرف آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"پلیز یہ جوس پی لو۔" علی نے فلاسک سے جوس نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ مگر اس نے بڑی حقارت سے جوس لے کر گاڑی کے باہر اچھال دیا۔

"بات سنو' جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اس طرح کے سلوک سے کیا فائدہ۔" علی اسے بڑے آرام سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں لگ رہی تھی۔

"بات مت کریں مجھ سے۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔ علی نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا جس کی گہری جھیل جیسی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"ذیشانہ پلیز' بی ریلیکس۔" علی نے ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔

"مسٹر علی! میں کسی غیر کو اپنا نام لینے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔" انداز میں اتنی معصومیت تھی کہ بے اختیار مسکراہٹ علی کے لبوں کو چھو گئی۔ لگ رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ شاک کی کیفیت سے باہر آ رہی ہے۔

"مگر محترمہ اس وقت تو آپ مسز شاہ زر علی خان ہیں۔" علی نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔ علی کی بات پر اس کے زخم تازہ ہو گئے۔ آنسو کا سیل رواں ہو گیا۔ علی چپ چاپ گاڑی چلا رہا تھا۔

"ذیشانہ پلیز یہ سب اپنے تک رکھنا۔" کافی دیر بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"کیوں اپنے تک رکھوں میں تو سارے زمانے کو بتاؤں گی آپ کے کرتوت۔" ذیشانہ کو کسی کل چین نہ تھا۔

"ٹھیک ہے' گھر جا کر سب لوگوں کو بتا دینا اور اس کارنامے پر تمہاری فیملی' جس میڈل سے تمہیں نوازے وہ اس خاکسار کو ضرور دکھانا۔" علی کی ہنسی اسے مزید جلا گئی۔ گیٹ پر اتارتے ہوئے اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتا گاڑی اڑا لے گیا۔

کچھ دیر تو وہ گیٹ کے باہر کھڑی رہی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے گھر کے اندر جانا ایک عذاب کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ کس منہ سے اندر جاتی خاندان کی عزت تو وہ مٹی میں رول آئی تھی۔ اپنے سارے حقوق کسی اجنبی کے نام لکھوا کر۔ لاڈ' پیار' اعتبار' مان کیا کچھ نہ ملا تھا اسے اس گھر سے مگر وہ جو اب میں اپنوں کو کیا لوٹا رہی تھی' ذلت رسوائی کے عذاب' سب معلوم ہو جانے پر کس طرح جگ ہنسائی ہو گی۔ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی تو ناکردہ گناہوں کی بھینٹ چڑھ گئی اور خاندان کو ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا جب کہ ذیشانہ حسن تم تو خود جا کر اپنی تباہی کا سامان کر آئی ہو۔ خاندان کی عزت پر جو داغ تم لگا آئی کیا اسے دھو سکی گی؟ یہ سب سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ گرتی پڑتی پتا نہیں کس طرح وہ اپنے کمرے تک آئی۔ بیڈ پر گرتے ہی اسے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ دو دن مکمل بے ہوشی کی حالت میں گزرے' مسلسل ایک سو پانچ یا چھ ٹمپریچر تھا' سب گھر والوں کا پریشانی کے مارے برا حال تھا۔ آج تیسرے دن وہ ہوش میں آئی تو بس چھت کو چپ چاپ تکے جا رہی تھی۔ شیروان اس کے پاس موجود تھا جب کہ باقی سب لوگ ابھی گھر گئے تھے۔ فون کی بیل ہوئی تو شیروان نے بڑھ کر فون ریسیو کیا۔

"یس ڈاکٹر شیروان! اسپیکنگ۔"

"مسٹر شیروان! میں فلک ناز کا بھائی علی بات کر رہا ہوں۔" فون علی کا تھا۔

"جی علی صاحب' کیسے یاد فرمایا؟" شیروان نے مسکرا کر بہن کی طرف دیکھا جو علی کے نام پر چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔

"فلک نے آپ کے گھر پتا کیا تو معلوم ہوا کہ آپ لوگ ادھر ہیں۔ اصل میں وہ مس حسن کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کالج کیوں نہیں آ رہی' آج بھی کالج جاتے مجھے تاکید کر کے گئی کہ بھائی فون پر ضرور پوچھنا۔" علی نے تفصیل بیان کی۔ شیروان نے مناسب انداز میں علی کو سب بتا دیا۔

"اچھا جی اجازت' اگر ذیشانہ صاحبہ کی طبیعت ٹھیک ہو تو ان سے کہیے گا شام کو فلک کو گھر پر رنگ کریں۔ او کے بیسٹ آف لک۔" علی نے فون بند کر دیا۔ شیروان نے آ کر اسے فلک ناز کا پیغام دیا اور وہیں بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں

Scanned with CamScanner

کرنے لگا۔

اسپتال سے گھر آئے اسے ایک ہفتہ ہوگیا تھا یوں تو چل پھر سکتی تھی مگر ویک نس بہت زیادہ تھی۔ اس حادثے نے اسے زندہ در گور کردیا تھا۔ اس وقت بھی وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ فون کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی مگر وہ یوں ہی پڑی رہی۔ اس نے سوچا شاید فون کرنے والا تھک کر بند کردے۔ اس نے ناگواری سے فون کی طرف دیکھا' پتا نہیں کون ڈھیٹ تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کے بارے میں سوچتی فون کی طرف بڑھ آئی۔

''ہیلو۔'' آواز خاصی بے زار تھی۔

''کیسی ہو؟ میں علی بات کررہا ہوں۔'' اس بندے کی آواز تن من میں آگ لگا گئی۔

''فون کیوں کیا ہے؟'' وہ چیخ پڑی۔

''آہستہ جانم' بہرہ نہیں ہوں۔'' وہ بڑے فریش موڈ میں لگ رہا تھا۔ اس کے برعکس اس کا یہ حال تھا جیسے چلتی پھرتی لاش ہو۔ وہ تو ہنسنا تک بھول گئی تھی۔ جرم نہ کرتے ہوئے بھی اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم تھی اور جس نے یہ سب کیا تھا بڑا خوش باش اور ریلیکس لگ رہا تھا۔

''ڈیئر ذیشی' کہاں گم ہو؟'' ایئر پیس پر اس کی آواز سنائی دی۔

''مر گئی ذیشانہ حسن' سنا آپ نے۔'' بے بسی کے احساس سے وہ ایک بار پھر شدت سے رو دی۔

''ذیشی پلیز' سنبھالو خود کو' اچھا سوچو خوب صورت سے خواب دیکھو' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بچوں کی طرح اسے بہلانے کی کوشش کررہا تھا۔

''کیا ٹھیک ہو جائے گا' میرے اچھے سوچنے یا خواب دیکھنے سے اس خاندان کی عزت و آبرو واپس آجائے گی۔'' بڑی کاٹ تھی ذیشانہ حسن کے لہجے میں۔

''ہر غم' ہر پریشانی کو جھٹک دو ڈیئر' تم عزت سے اپنے گھر میں ہو' پھر کیا ہوا اس خاندان کی عزت کو' بس تم اپنا خیال رکھا کرو' خوش رہنا سیکھو۔'' علی بڑے دھیمے لہجے میں بات کررہا تھا۔

''ہونہہ خوش رہوں' کانٹے بو کر پھول اگنے کی تمنا آپ جیسے لوگ کرتے ہیں' ابھی ذیشانہ حسن اتنی پاگل نہیں ہوئی کہ جرم کرکے مظلوم بن جائے۔'' وہ تو بھری بیٹھی تھی۔

''تم نے کوئی جرم نہیں کیا' آئندہ ایسا کچھ مت سوچنا' تم اب مسز شاہ زر علی خان ہو۔ اپنا خاص خیال رکھا کرو' یہ میرا حکم ہے۔ اب تم میری ہو اور شاہ زر علی خان اپنی عزت کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتا ہے' گھر میں سب کو میرا سلام کہنا کل تک کے لیے اجازت اللہ حافظ۔'' اس کے ساتھ ہی فون رکھ دیا گیا۔ وہ کتنی دیر ریسیور ہاتھ میں تھامے ساکت بیٹھی رہی۔

علی مسلسل اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ پریشانی اس کے ایک ایک انداز سے ظاہر ہورہی تھی۔ بار بار روتی تڑپتی ذیشانہ کا چہرہ نظروں کے سامنے آجاتا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کررہا تھا۔ واہ شاہ زر علی خان ایک شریف لڑکی کو تم نے کس حال پر پہنچا دیا۔ تم نے تو اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ کیا عزیز از جان ہستیوں سے اس طرح کا سلوک کرتے ہیں مگر میں کیا کرتا' میں بھی مجبور تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوگیا۔ ذیشانہ تو اسے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔

سب گھر والوں کی بے پناہ محبتوں سے وہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف لوٹ آئی۔ وہ اپنے پیاروں کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کے بارے میں سوچتی کہ آخر وہ کون ہے اور آغا جان سے اس کی کیا دشمنی ہے' جتنا سوچتی دماغ اتنا ہی الجھ جاتا۔ آج بڑے دنوں بعد وہ کالج جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ آج آغا جان خود اسے کالج ڈراپ کرنے جارہے تھے۔ وہ تمام راستہ ان سے باتیں کرتی آئی آج وہ اپنے آپ کو کافی فریش فیل کررہی تھی۔ کالج کے گیٹ پر شاہ زر علی خان بھی موجود تھا۔

''اللہ حافظ آغا جان۔'' اس نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تو وقار علی خان نے بڑھ کر پوتی کی پیشانی پر محبت سے بوسا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر علی کے چہرے پر ڈھیر سارا دھواں بکھر گیا۔ اس نے بس ایک نظر ذیشانہ پر ڈالی اور گاڑی لے اڑا۔ فلک ناز آج کالج نہیں آئی تھی تو پھر علی ادھر گیٹ پر کیا کررہا تھا۔ وہ یہ سب سوچتی کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆

''کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' عارف کافی دیر سے نوٹ کررہا تھا کہ علی کچھ الجھا الجھا اور پریشان ہے۔

''نہیں یار کوئی خاص بات نہیں۔'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

''چلو خاص نہ سہی عام ہی سہی۔ بات تو بتاؤ۔''

''بس پرانے زخم کبھی کبھی بہت درد کرنے لگتے ہیں۔''

''کیوں؟ آج ایسی کیا بات ہوگئی کہ پھر تمہیں ماضی کی یاد آگئی؟''

''یار آج اس شخص کا سامنا ہوگیا جس کے نام سے مجھے

Scanned with CamScanner

نفرت ہے۔"

"یعنی تمہارے گرینڈ فادر۔" عارف نے حیرت سے علی کی طرف دیکھا۔

"ہاں' اس سفاک انسان سے جس کی وجہ سے میرے پیارے بابا اس حال تک پہنچے ہیں۔" اس کا لہجہ نفرت سے پھر پور تھا۔

"یار علی چھوڑو ان باتوں کو' یہ سب تمہارا ماضی ہے تم اپنے فیوچر کے بارے میں سوچو۔"

"یار تم مستقبل کی بات کرتے ہو' میرا حال دیکھو جو ایک تیرتی ناؤ کی مانند ہے جو پتا نہیں کبھی کنارے لگے گی یا یوں ہی تیرتے تیرتے ڈوب جائے گی۔ میرے لیے تو میرا ماضی ہی سب کچھ ہے چاہے اس میں دکھ ہی دکھ ہوں۔ مگر میں اس سے اپنا رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ میرا حال تو تمہارے سامنے ہے۔ باقی رہا فیوچر تو میرے دوست کل کس نے دیکھا ہے کہ وہ کیسا ہو گا۔" علی اردگرد سے بے نیاز جیسے خود سے مخاطب تھا۔

"یار علی چھوڑو کوئی اور بات کرو۔"

"میں وہ لمحے کبھی نہیں بھول سکتا جب رابرٹ کے قتل کا کیس بابا پر ہوا تھا۔" علی کی آنکھوں میں گہرا دکھ تھا۔

"کیا مطلب' قتل کا کیس اور انکل پڑ' پہلے تو تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔" عارف نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی ایک دکھ ہو تو انسان اس کا ذکر کرے' یہاں ایک کے بارے میں پوچھو گے تو ہزار سامنے آجائیں گے۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"یار علی' بتاؤ کیا ہوا تھا؟" عارف تو سرے سے اس واقعے سے لاعلم تھا۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ بھی ہارٹ سرجن تھا اور بابا کے ساتھ ہی اسپتال میں کام کرتا تھا۔ نجانے اسے بابا سے کس بات کی ناراضگی تھی جس کی وجہ سے وہ بابا کے خلاف تھا۔ پورا اسپتال بابا کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اللہ کا کرم تھا کہ بابا نے جو آپریشن کیا' وہ کامیاب رہا اور یہ بات اس شخص سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ ڈیوڈ کا رویہ بابا سے تبدیل ہو گیا' وہ بابا سے یوں ملنے لگا جیسے ہمیشہ سے بابا کا دوست رہا ہو۔" علی ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ "رابرٹ ڈیوڈ کا بڑا بھائی تھا۔ ڈیوڈ کا کہنا تھا کہ اسے اپنا بھائی بہت عزیز ہے۔ رابرٹ ہارٹ پیشنٹ تھا۔ ڈیوڈ نے بابا سے کہا کہ مجھے اپنا بھائی اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے۔ تم اس کا آپریشن کرو کیونکہ تمہارے ہاتھ میں شفا ہے اور تمہارا کوئی آپریشن ناکام نہیں ہوا۔ بابا کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ مکار شخص کیا چال چلنے والا ہے۔ بابا نے آپریشن کی ہامی بھر لی۔ رابرٹ کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ آپریشن کی ڈیٹ بھی دے دی گئی۔ آپریشن سے ایک روز پہلے ڈیوڈ نے بابا سے کہا کہ مجھے لگتا ہے رابرٹ کو ہلکا سا ٹمپریچر ہے تم میرے ساتھ چل کر اسے دیکھ لو۔ بابا رابرٹ کے کمرے میں گئے تو ڈیوڈ کسی کام کا بہانہ کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ بابا نے تھرمامیٹر تلاش کرنے کے لیے بیڈ کی سائیڈ دراز دیکھی وہاں ایک سرنج پڑی تھی اس میں دوائی بچی ہوئی تھی۔ بابا غور سے اسے دیکھنے لگے کہ انجکشن ادھورا کیوں لگایا گیا ہے۔ ابھی وہ اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکے تھے کہ ڈیوڈ چار پانچ ڈاکٹروں کے ساتھ روتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"دیکھ لو' میرے بھائی کو اس شخص نے زہر کا انجکشن لگا کر مار دیا ہے۔" سرنج اب بھی بابا کے ہاتھ میں تھی۔ شک کی گنجائش ہی نہ رہی۔ ان لوگوں نے بابا کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ پھر بابا پر کیس چلا اور بابا جیل چلے گئے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے اس وقت بابا کی کیا حالت تھی پھر کچھ عرصہ بعد ڈیوڈ کے ضمیر نے اسے ملامت کی۔ اس نے اعتراف جرم کر کے کہ بھائی کو خود انجکشن لگا کر مار چکا ہے اس نے بابا سے بھی معافی مانگ لی۔ بات تو کلیئر ہو گئی مگر بابا وہاں ایک پل رکنے کے لیے تیار نہ تھے' ہم لوگ پڑھ رہے تھے' بابا کی نوکری ختم ہو گئی۔ بابا خود دل کے مریض بن گئے۔ میں ان دنوں بہت پریشان تھا۔ وہ ہر وقت اپنے آپ کو کوستے رہتے کہ انہوں نے والدین کی نافرمانی کی تو خدا نے اس کی سزا دے دی۔ پھر انکل سومرو اور اماں کی کوشش سے بابا پاکستان آنے کے لیے تیار ہو گئے مگر احمد یار علی خان سے ڈاکٹر خان بن گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ نام آغا جان نے رکھا تھا۔ اس لیے وہ اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے کہ زندگی میں اگر آغا جان سے سامنا ہو تو وہ انہیں نام کی وجہ سے پہچان نہ لیں۔

"بس یار' تقدیر کے کھیل ہی نرالے ہیں۔" علی نے ٹھنڈی آہ بھری جب کہ عارف ہنوز خاموش تھا کیونکہ وہ مزید اس ٹاپک کو چھیڑ کر اپنے دوست کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"یار! کچھ دن پہلے کا واقعہ لے لو' خوامخواہ بابا کا اسکینڈل بن گیا۔ نوبت سپریم کورٹ تک جا پہنچی یہ تو انکل سومرو نے جج ہونے کی حیثیت سے حقیقت کو بے نقاب کیا ورنہ تو ان لوگوں نے بابا کو لاک اپ کرانے کی پوری کوشش کی تھی۔ لڑکی کو خود

Scanned with CamScanner

غائب کروا کر الزام بابا پر لگا دیا۔'' علی کا خوب صورت چہرہ جذبات سے تمتما اٹھا۔

''کول ڈاؤن یار۔ اپنے ساتھ ساتھ میرا دماغ بھی خراب کررہا ہے۔ سیاست میں تو یہ سب چلتا ہے۔'' عارف اسے ریلیکس کرنے کی کوشش میں تھا۔ علی نے اپنی جلتی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور ایک پھیکی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔

''علی یار تم اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ وہ مہربان ذات ہر دفعہ انکل کی سچائیوں کی گواہی پیش کردیتی ہے۔'' عارف نے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ دبایا تو علی نے اپنے شانے پر رکھا اس کا ہاتھ محبت سے دبا دیا وہ اب کافی پرسکون لگ رہا تھا۔

☆☆

''شاہ نیل! مجھے کراچی چھوڑ آؤ۔ کالج سے میری کافی چھٹیاں ہوگئی ہیں۔'' فلک کب سے اس کی منت کررہی تھی۔

''ارے آپی کیا کرنا ہے اتنا پڑھ لکھ کر' کروگی تو وہی چولہا چکی' بس تو پھر وقت کو ضائع کرنے کا فائدہ۔'' شاہ نیل نے شرارت سے بہن کو چھیڑا۔

''اماں! آپ دیکھ رہی ہیں اس کو۔'' فلک نے ماں سے فریاد کی۔

''السلام علیکم اماں۔'' علی نے اندر قدم رکھا تو دونوں بھائی بہن لڑائی بھول کر اس کی طرف بڑھے۔

''بھائی! آپ یوں اچانک۔'' شاہ نیل کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔ دونوں بہن بھائیوں سے ملنے کے بعد وہ ماں کی طرف بڑھ آیا۔

''کیا حال ہے اماں؟'' وہ ماں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔

''تم کیسے ہو میری جان' کافی دبلے ہورہے ہو۔'' اماں فکر مندی سے بولی۔

''بس اماں کام بہت بڑھ گیا ہے۔ میں تو ٹھیک ہوں۔'' اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ''بابا کیسے ہیں؟ نظر نہیں آرہے۔'' باپ کے نام پر اس کی آنکھیں ان کی محبت سے جگمگا اٹھی تھیں۔

''بیٹا وہ اپنے کمرے میں ہیں۔ شاید اپنا کام کررہے ہیں۔''

''اچھا اماں میں بابا سے مل لوں۔''

''السلام علیکم بابا۔'' وہ اپنے دونوں بازو پھیلائے ان کی طرف بڑھا مگر انہوں نے سلام کے جواب کے علاوہ کوئی خاص نوٹس نہ لیا اور بدستور اپنے کام میں مگن رہے وہ بابا کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔ وہ ہمیشہ ان کے سامنے بچہ بن جاتا تھا اور ان کی گود میں سر رکھ کر ڈھیروں باتیں کرتا تھا۔ علی نے ان کے آگے بکھرے کاغذ ایک طرف کیے تو انہوں نے خفگی سے اسے گھورا۔

''بابا! کیا بہت خفا ہیں؟'' وہ بہت محبت سے ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

''صاحبزادے آپ دیکھ نہیں رہے کہ میں اس وقت بزی ہوں۔'' بابا تو ٹس سے مس نہ ہوئے لگ رہا تھا کہ بہت زیادہ ناراض ہیں اس سے۔

''مخل ہونے کی معذرت چاہتا ہوں سر' اس بندہ ناچیز کو آپ سے ضروری کام آن پڑا ہے۔'' علی بڑی عاجزی سے بولا۔ انہوں نے مسکراتی نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا جو بہت اداس پریشان اور الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر خان نے اسے اپنی بانہوں میں بھر کر چوم لیا۔

''کیسے ہو جان پدر؟'' اسے اس طرح دیکھ کر فکرمندی سے بولیں۔

''اے ون بابا۔'' وہ انہیں خوش کرنا چاہتا تھا۔

''میاں' بہت پریشان لگ رہے ہو' کیا بات ہے' تم ٹھیک تو ہونا؟'' لگتا تھا بابا نے تو اس کے اندر تک جھانک لیا ہے۔

''بابا آپ ناراض تو نہیں ہیں مجھ سے۔'' وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔

''خفا تو میں تم سے بہت تھا مگر کیا کروں تمہاری صورت دیکھ کر تمام ناراضگی بھول جاتا ہوں۔'' انہوں نے محبت سے بیٹے کو لپٹا لیا۔

''بابا! کیا ہورہا تھا؟'' اس نے ٹیبل پر دھرے کاغذ اٹھائے۔

''علی بیٹا زمینوں کا حساب بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ بس وہی کررہا تھا۔''

ادھر ادھر کی باتیں کرتے کافی وقت گزر گیا۔ علی میں نے عارف کو تمہاری طرف بھیجا تھا۔ بابا اصل موضوع کی طرف آگئے۔

''جی بابا' وہ آیا تھا میرے پاس۔'' علی سر جھکا کر بولا۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' بابا بہت سیریس لگ رہے تھے۔

''بابا! آپ جانتے تو ہیں میرا جواب۔'' علی نے ایک نظر اپنے باپ پر ڈالی وہ ان کی خاطر جان قربان کرسکتا تھا مگر ان کی یہ بات ماننا بہت مشکل تھی۔

''علی! کیوں سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔ اپنے

ساتھ ساتھ مجھے بھی کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہو۔ نہیں ملنا ان لوگوں کو ہمیں اور اگر کبھی ان سے سامنا ہو بھی گیا تو میں ان کے گھر نہیں جاسکتا کیونکہ یہ میرے والد کا حکم ہے اور میں اتنا بھی نافرمان نہیں کہ اپنے باپ کا حکم ٹال دوں۔" بات کرتے کرتے وہ آبدیدہ ہوگئے۔

"بابا! آپ نے کوئی جرم نہیں کیا کہ ان لوگوں کا سامنا نہ کرسکیں۔ خوامخواہ اتنا ظلم کیوں کرتے ہیں اپنے آپ پر۔ بابا آپ میں حوصلہ تھا اپنوں سے الگ زندگی گزارنے کا مگر میں آپ جیسا نہیں ہوں کہ اپنے خاندان سے کٹ کر زندگی گزار سکوں۔" علی نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر کہاں تلاش کرو گے؟ کب تک سایوں کے تعاقب میں رہو گے۔" وہ بہت مایوس لگ رہے تھے۔

"بابا! میں نے ان لوگوں کا پتا لگا لیا ہے۔" علی نے گویا انہیں زندگی کی نوید سنائی۔

"کہاں؟ کب؟ کیسے؟" انہوں نے جذبات میں آکر علی کو گھما ڈالا۔ اس وقت وہ بڑے جذباتی ہو رہے تھے۔

"ریلیکس بابا' آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔ میں سب بتاتا ہوں۔" علی نے انہیں پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

"میں نے ان لوگوں کو اپنے دوست مغیث کی شادی پر دیکھا تھا۔ چچا' چچی' شیری' ذیشانہ سب لوگ وہاں موجود تھے۔ مغیث نے ذیشانہ کا تعارف اپنی سسٹر کی فرینڈ کے طور پر کرایا' باقی لوگوں کے ناموں کا پتا بھی چل گیا۔ غور سے دیکھنے پر پتا چلا کہ واقعی یہ وہی لوگ ہیں آخر ہر روز دیکھتے دیکھتے شکلیں تو یاد تھیں مجھے۔" اس نے ہنس کر باپ کی طرف دیکھا۔

"بیٹا! تم ملے ان سے' تمہارا تعارف ہوا؟" وہ سب کچھ جان لینے کے لیے بے تاب لگ رہے تھے۔

"نہیں بابا' ادھر کراچی میں تو لوگ مجھے علی احمد کے نام سے جانتے ہیں۔" علی کے جواب پر انہوں نے حیرانی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"مگر کیوں بیٹا؟"

"بابا آپ بھی کمال کرتے ہیں آخر بیٹا کس کا ہوں۔ اگر آپ ڈاکٹر خان ہوسکتے ہیں تو میں علی احمد کیوں نہیں؟" علی کے انداز میں شرارت نمایاں تھی۔

"میں تو بیٹا اپنا آپ خود سے بھی چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ضمیر کے آئینے میں اپنا اصلی عکس دیکھ کر خود اپنے مرنے کی آرزو نہ کرنے لگوں۔" احمد یار علی خان پھر ڈیپریس ہوگئے۔

"بابا! شیروان اور ذیشانہ سے تو میں دو تین بار ملا ہوں۔ میرے خیال میں وہ ہمارے بارے میں بالکل نہیں جانتے اور بابا یہ سب مہربانیاں آغا جان کی ہیں۔" ان کا نام لیتے ہی علی کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں تھے۔

"بیٹا! تم نے آغا جان کو دیکھا؟" احمد یار علی خان گویا پھر سے روح کی سچائیوں کے ساتھ جی اٹھے۔

"جی بابا' ایک دفعہ ذیشانہ کے ساتھ گاڑی میں جارہے تھے اور ذیشانہ ان سے بڑے لاڈ کر رہی تھی۔" بابا سے باتیں کرتے ہوئے خود اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کیسے تھے آغا جان؟" ڈاکٹر خان نے پیار سے بیٹے کے بالوں کو انگلیوں سے سنوارا۔

"آپ سے جوان نظر آتے ہیں' ویسے میں نے گھر کا بھی پتا لگا لیا ہے حسن چاچا اپنا بزنس کرتے ہیں' شیروان ڈاکٹر ہے۔ یہ تمام باتیں مجھے مغیث سے معلوم ہوئی ہیں۔ پھر میں نے خود جا کر سب پتا کیا ہے۔" علی نے خوشی سے احمد یار علی خان کو سب کچھ بتادیا۔

"مگر بیٹا کیا فائدہ' ان سب خبروں کا جہاں ہم لوگ آج موجود ہیں کل بھی ہمارا ٹھکانا یہی مقام ہے۔"

"بس بابا آپ یہ سب مجھ پر چھوڑ دیں' پریشان بالکل نہ ہوں۔ ایک دن آپ کے سب اپنوں سے آپ کو ضرور ملاؤں گا۔ یہ آپ سے میرا وعدہ ہے۔" علی نے ان کے ہاتھ گرم جوشی سے دبائے۔ "او کے سر آپ اپنا کام کریں اور میں باتھ لے کر فریش ہوجاؤں' پھر مل کر کافی پیتے ہیں۔"

رات کو جب وہ سونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آیا تو دھیان ایک دم ذیشانہ کی طرف گیا۔ اس نے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا' رات کے دس بج رہے تھے۔ اچھا بات نہیں کرتا شاید وہ سو رہی ہو مگر انگلیاں بے اختیار موبائل پر ذیشانہ کے گھر کا نمبر پش کرنے لگیں۔ اپنی اس کیفیت پر وہ خود حیران تھا۔ موبائل لے کر وہ اپنے بیڈ پر آ گیا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا مگر ریسیو کرنے والے آغا جان تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ جھنجلا گیا مگر فوراً ہی اپنی آواز بدل کر بولا۔ "ذیشانہ ہیں گھر پر؟"

"ہاں بیٹی' آپ کون بات کر رہی ہیں؟" آغا جان محبت سے بولے۔

"میں اس کی دوست فلک بات کر رہی ہوں آپ شاید آغا جان ہیں۔" اس نے بات بنائی۔

"پلیز آپ اسے بلا دیں میں ابھی اسے دوبارہ رنگ کرتی

بول۔"

آغا جان فون ذیشانہ کے کمرے میں لے کر آئے تو ذیشانہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

"آغا جان! اس وقت آپ یہاں؟" ذیشانہ جب سے بیمار ہوئی تھی اس دن سے آغا جان اس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔

"ذیشانہ بیٹا' تمہاری دوست فلک فون پر بات کر رہی تھی' وہ تمہیں دوبارہ رنگ کرے گی میں نے سوچا تم اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہو تو میں فون ادھر اٹھا لایا۔" آغا جان نے شفقت سے پوتی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر کمرے سے باہر چلے گئے۔

فون کی بیل ہوئی تو اس نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو فلک' کیسی ہو تم؟" اس نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک' بلکہ اے ون' مسز زر علی خان۔" علی کی آواز پر یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"آپ اور اس وقت؟" وہ بڑی رکھائی سے بولی۔

"جی جناب' یہ ہم ہیں اور ذیشانہ ڈیئر ہم بہت خوش ہیں۔" وہ فون پر چہک رہا تھا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔ ادھر سے ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

"ذیشی! وہ مجھے مل گئی ہے۔" ایسا لگ رہا تھا جیسے علی اس وقت ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔ وہ تو بس خاموش رہی۔

"پوچھو گی نہیں کہ وہ کون ہے؟" علی اسے چھیڑتا ہوا بولا۔

"مسٹر علی! یہ آپ کا پرسنل معاملہ ہے میں پوچھ کر کیا کروں گی۔ یہ سب مجھے بتانے کا مطلب کیا ہے؟" علی کی باتیں اسے آگ لگا گئیں۔

"ارے پگلی تم میری نصف بہتر ہو اور کسی دانا کا قول ہے کہ میاں بیوی جیسا ہمراز کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔"

"مسٹر شاہ زر علی خان! اگر آپ کی آئیڈیل مل گئی ہے تو مہربانی فرما کر میری جان چھوڑ دیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کیسی بات کر رہی ہو ذیشی' تم تو میری شب و روز کی کاوشوں کا ثمر ہو۔" علی پر کسی بات کا اثر نہ تھا۔

"پلیز جس طرح میرج پیپر چپ چاپ فل کر دیا تھا اسی طرح ڈائیورس پیپر پر بھی سائن کر دیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"یہ کوئی مذاق ہے۔" علی چیخ پڑا۔

"آئی ہیٹ یو مسٹر علی۔" بڑی حقارت اور نفرت تھی اس کے لہجے میں۔

"شٹ اپ مس ذیشانہ حسن خان' اگر اب بکواس کی تو گلا دبا دوں گا تمہارا۔ کیا سمجھتی ہو اپنے آپ کو' اگر تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو مرا میں بھی نہیں جا رہا تمہارے عشق میں۔ یہ سب تو ایک مجبوری ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہ تھا تمہارے آغا جان کو اپنے قدموں میں جھکانے کا۔" کچھ دیر پہلے والی نرمی اور انداز کا دھیما پن تو پر لگا کر اڑ گئے تھے اس وقت تو ایک ظالم اور جابر انسان کی آواز اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھی۔

"محترمہ اپنا دماغ درست رکھا کریں' میں اگر اتنا کر سکتا ہوں تو پھر آگے کہاں تک جا سکتا ہوں اس کا اندازہ تمہیں ہو چکا ہوگا۔ اگر تم نے اس طرح کا رویہ رکھا تو میں وہ کچھ کر گزروں گا جس کا تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔" اور پھر ریسیور زور سے پٹخا گیا۔ وہ کتنی دیر اپنا سر پکڑے ساکت بیٹھی رہی۔ اتنی ذلت' اتنی توہین' میرے مالک آخر آغا جان نے اس شخص کا کیا بگاڑا ہے اور ذیشانہ اپنی بے بسی پر آنسو بہانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

علی جو بابا سے بات کر کے کافی ریلیکس ہو گیا تھا۔ ذیشانہ سے بات کر کے دوبارہ ڈیپریس ہو گیا۔ کیا وہ واقعی مجھ سے نفرت کرتی ہے؟" جتنا سوچتا دماغ اتنا ہی خراب ہوتا۔ اگر ذیشانہ حسن تمام رات جاگی تھی تو چین شاہ زر علی خان کو بھی نصیب نہیں تھا۔ پوری رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزری تھی۔ دو تین دن اس نے حیدر آباد میں گزارے۔ بابا کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا' پھر وہ فلک کو لے کر کراچی آ گیا۔

☆☆

عارف اس دفعہ کراچی آیا تو علی اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔

"کیا بات ہے' اس دفعہ تو ٹوتھ پیسٹ کا ایڈ بنا ہوا ہے۔ کیا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟" عارف کی بات پر علی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"در فٹے منہ' تیرا' میری خوشی سے تم کیوں کباب ہو رہے ہو۔" علی نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا۔ ویسے یار اس دفعہ تو کراچی جلدی نہیں آیا۔" علی شرارت سے بولا۔ جب کہ عارف ایک دم سیریس ہو گیا۔

"ہاں علی' تم سے ضروری کام تھا۔"

"کیسا کام؟" علی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اصل میں ابو امی مجھ پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ وہ پریشانی سے ہاتھ بالوں میں پھیر رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

"تو اس میں سڑے کریلے جیسی شکل بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ جلدی بجادو اپنا باجا میرے دولہے راجہ۔" علی کے قہقہوں سے بار بار کمرہ گونج رہا تھا۔ عارف البتہ خاموش تھا۔

"ارے کیا بات ہے' گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟" علی نے فکرمندی سے پریشان ہونٹ کاٹتے عارف کی طرف دیکھا مگر وہاں تو چپ شاہ کا روزہ تھا۔

"اب بک بھی دے' کیوں خوامخواہ اپنے ساتھ میرا دماغ بھی خراب کررہا ہے۔" علی جھنجلا گیا۔

"یار علی! بات کچھ یوں ہے۔" وہ بات کرتے ہوئے ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔

"اب ایک دھمو کا جڑوں گا قسم سے۔" علی نے اسے گھورا۔

"علی! پہلے تم وعدہ کرو' میں جو بات کرنے جارہا ہوں اسے آرام سے سنو گے اور ناراض بھی نہیں ہوگے۔"

یار عارف ایسی کیا بات ہے' پلیز جلدی بتاؤ سچی میں تو پریشان ہوگیا ہوں۔"

"یار علی! تم وڈیرے اور جاگیردار لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔ اصل میں' میں امی ابو کو تمہاری طرف بھیجنا چاہتا ہوں۔" عارف کی بات کے بعد کمرے میں کچھ دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔

"علی! تم ناراض تو نہیں ہوگئے۔" عارف' علی کی خاموشی سے گھبرا گیا۔

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں میں تمہاری بات اچھی طرح سمجھ گیا ہوں مگر میں خود سے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اصل مالک تو بابا خود ہیں۔" علی نے وضاحت پیش کی۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم لوگ برادری سے باہر شادیاں نہیں کرتے' مگر یار وہ میں...." عارف نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم فکر نہ کرو' اللہ مالک ہے یار! امید پر دنیا قائم ہے' اب میری مثال لے لو' آج سے ہفتہ پہلے میں بہت پریشان تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرا کیا بنے گا۔ میں تو مایوس ہوچکا تھا مگر وہ ذات بڑی رحیم ہے جس نے مجھ خطا کار پر رحم کیا۔ آئندہ بھی انشاء اللہ وہ کرم کرے گا۔" علی آنکھیں موندے ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

"یار لگتا ہے تجھے تیری منزل مل گئی ہے' یوں ہی تو تیری بتیسی نہیں نکل رہی۔"

"ہاں مجھے ذیشانہ مل گئی ہے۔" علی کا لہجہ خوشیوں سے چور تھا۔

"ہیں' کب؟ کیسے؟" عارف نے اسے گھما ڈالا۔

"جی جناب' ہم لوگ کورٹ میرج بھی کرچکے ہیں۔"

"یار! جاگتے میں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔" عارف نے علی کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا پھر دونوں کا بے ساختہ قہقہہ ایک ساتھ گونجا۔ علی نے تمام بات عارف کو بتادی۔

"ویل ڈن علی' تم نے وہ کچھ کردیا جس کا کوئی دوسرا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"میں تو اس بات پر ایمان لے آیا ہوں کہ اگر جذبے صادق ہوں تو منزل خود چل کر سامنے آجاتی ہے۔" علی بڑے جذب سے بولا۔

"ویسے یار' تم نے بھابی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ کسی بھی شریف لڑکی کے لیے یہ سب بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔"

"اس بات کا احساس مجھ سے بڑھ کر کسے ہوگا مگر مجبوری ہے' آغا جان کے غرور کو توڑنے کا صرف یہ ہی ایک راستہ تھا۔"

"یار علی کیا بھابی بہت کیوٹ ہیں؟"

"فکر کیوں کرتا ہے یار' ابھی ملوادیتا ہوں۔"

"کیا مطلب ہے' کیا وہ ادھر آجائیں گی؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ آؤ میرے ساتھ ٹرائی کرتے ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔" علی فون کی طرف بڑھا۔

بیل مسلسل جارہی تھی مگر کوئی فون ریسیو نہیں کررہا تھا۔ علی فون رکھنے والا تھا کہ ذیشانہ کی ہیلو سنائی دی۔

"ذیشی! میں علی بات کررہا ہوں۔"

"کیوں کرتے ہیں آپ بار بار فون شرم نہیں آتی دوسروں کو تنگ کرتے ہوئے۔" وہ تو کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"ذیشانہ! تم کچھ دیر کے لیے میرے آفس آجاؤ پلیز۔" علی منت سے بولا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں مسٹر شاہ زر علی خان۔" وہ غصے سے بھری ہوئی بول رہی تھی۔

"ارے مسز کیا پوچھتی ہیں بندہ ناچیز تو گیارہ ستمبر سے اپنے ہوش و حواس کھوچکا ہے۔" علی نے شرارت سے اسے نکاح کی تاریخ یاد دلائی مگر وہاں کچھ اثر نہ تھا' توپوں کا رخ اب بھی علی کی جانب تھا۔

"میں فون رکھ رہی ہوں۔" ادھر سے دھمکی دی گئی۔

"میرا کارڈ تمہارے پاس ہے پلیز تھوڑی دیر کے لیے ڈرائیور کے ساتھ میرے آفس آجاؤ مجھے تم سے ضروری کام ہے۔"

"نہیں آتی اور میرے پاس آپ کا کوئی کارڈ وغیرہ نہیں ہے۔ سنا آپ نے۔" شاید وہ آج مقابلے کے لیے پوری

Scanned with CamScanner

طرح تیار تھی۔

''کارڈ تمہارے پرس میں ہے' میں نے خود اپنے ہاتھ سے ڈالا تھا۔ محترمہ! گیارہ ستمبر کو دن کے تین بجے کورٹ کے بنچ پر بلیک پرس کی تیسری پاکٹ میں کوئی اور بات؟''

''دیکھیں مسٹر شاہ زر علی خان' میں اس وقت نہیں آسکتی' پاپا' آغا جان' شیروان بھائی سب گھر پر ہیں اگر آپ نے زیادہ تنگ کیا تو آپ کا کارڈ دکھا کر سب کچھ بتادوں گی۔'' علی کے چہرے پر طرح طرح کے رنگ آرہے تھے۔ جب کہ عارف خوب لطف لے رہا تھا دونوں کی بحث سے۔

''دیکھو ذیشانہ گھر میں شاپنگ کا کہہ کر آجاؤ' میں کپڑا مارکیٹ کے سامنے تمہارا ویٹ کروں گا ٹھیک ہے نا۔'' علی بدستور ٹھنڈے لہجے سے بات کر رہا تھا۔

''بات سنیں مسٹر علی' بقول آپ کے شریف لڑکیاں گھر سے یوں اکیلی باہر نہیں جاتیں' پھر اس وقت آپ کی منطق کیا ہوئی؟ میں نہیں آؤں گی بلکہ سب کو آپ کے کرتوت بتا کر آپ کا تماشا بنواؤں گی۔''

''ٹھیک ہے' پھر تماشا تو تماشا ہی سہی' میں ابھی آرہا ہوں نکاح نامے سمیت' او کے' میرا انتظار کرنا' علی زچ ہو کر بولا۔

''پلیز اس طرح تو نہ کریں میں آجاتی ہوں۔'' اور پھر فون ہی کٹ گیا۔

''اب آئی ہو نا لائن پر۔'' علی نے ایک زوردار مکا عارف کو جڑ دیا۔

''ظالم! میرا بازو ہلا دیا۔ یہ میں ہوں ذیشانہ نہیں۔ ویسے یار ہیں بڑی کمال شے آج پہلی دفعہ شاہ زر علی خان کو من من کرتے سنا ہے ورنہ تو دنیا ڈرتی ہے محترم کے نام سے۔'' عارف ہنس ہنس کر بے حال ہو رہا تھا۔

''ویسے یار' حیرانی کی بات ہے کہ محترمہ نکاح سے پہلے تیر کی طرح سیدھی تھیں مگر اب تو مزاج ہی نہیں ملتے' بات ایسے کرتی ہے جیسے باؤلی شیرنی۔'' علی نے مسکین صورت بنائی۔ ''یار عارف' میں اسے پک کرنے جا رہا ہوں' تم ذرا خیال رکھنا' بس دس پندرہ منٹ کی بات ہے۔'' علی چابی لے کر باہر چلا گیا۔ علی کپڑا مارکیٹ کے سامنے گاڑی میں بیٹھا ذیشانہ کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ذیشانہ بھی اپنی کار سے برآمد ہوئی۔

''تم اس وقت گھر جاؤ ایک گھنٹے بعد مجھے ادھر سے پک کر لینا۔'' اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ روز کلر کے پرنٹڈ شلوار قمیص پر بلیک جارجٹ کی تارکشی والی چادر اوڑھے وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ علی بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اپنی ریسٹ واچ کو بار بار دیکھتی خاصی پریشان لگ رہی تھی۔

''آیئے مسز۔'' وہ گاڑی تیزی سے اس کی طرف لے آیا۔

''مگر کہاں؟'' وہ بے بسی کی تصویر لگ رہی تھی۔

''میرے آفس۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''میں کہیں نہیں جا رہی سنا آپ نے مسٹر علی۔'' اس نے غصے سے علی کو گھورا۔

''ہری اپ ذیشی' دیکھو میں آفس چھوڑ کے آیا ہوں اگر لڑنا اتنا ضروری ہے تو پلیز آفس میں آرام سے لڑائی کرنا۔ او کے۔'' اس نے ذیشانہ کو تھام کر گاڑی میں بٹھایا۔ علی بار بار اس کے چاند کی طرح چمکتے چہرے کی طرف دیکھتا جو اپنا نچلا ہونٹ بڑی بے دردی سے کاٹتی بڑی کیوٹ لگ رہی تھی۔ شاہ زر علی خان کا دل بس یہ چاہ رہا تھا کہ وقت یوں ہی تھم جائے اور وہ اسے تکتا رہے۔ اس نے شوخ نظروں سے اسے گھورا اور بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نچلا ہونٹ چھڑا لیا۔

''یار کیوں ظلم کرتی ہو مظلوم پر۔'' علی نے جھک کر شرارت سے ذیشانہ کو چھیڑا۔ اسے یوں لگا جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ علی کے باڈی کلون کی مہک' اس کے ناک کے نتھنوں میں گھس جا رہی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے علی کی طرف دیکھا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکلتا ہو' چہرہ شرم سے لال سرخ ہو گیا۔ علی نے پرشوق نظروں سے حیا کے رنگوں سے سجے حسین مکھڑے کو دیکھا۔

''پلیز علی' پرے ہو جائیں۔'' وہ مری آواز میں بولی۔ اس کی حالت دیکھ کر علی کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ اس نے سیدھا ہو کر اپنی توجہ گاڑی پر مرکوز کر دی۔ وہ دونوں ایک ساتھ آفس میں داخل ہوئے تو عارف احتراماً اٹھ کھڑا ہوا جب کہ ذیشانہ اسے دیکھ کر دروازے کے پاس رک گئی۔

''ارے تم کیوں رک گئیں؟'' علی اسے لیے آگے بڑھا۔

''ذیشانہ اس سے ملو' یہ میرا بیسٹ فرینڈ عارف ملک ہے۔'' علی نے مسکراتے ہوئے تعارف کرایا۔

''السلام علیکم بھابھی۔'' عارف نے بڑے احترام سے سلام کیا۔

''ابے گھامڑ' تجھے بڑی جلدی تھی سلام جھاڑنے کی تعارف تو مکمل ہونے دے' اور یہ ہیں مسز شاہ زر علی خان۔'' اس نے شرارت سے عارف کی طرف دیکھا۔ ذیشانہ پریشانی سے عارف کی طرف دیکھ رہی تھی۔

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

"ذیشانہ پلیز' ریلیکس ہو جاؤ۔ عارف اور میں الگ نہیں ہیں۔ یہ سب جانتا ہے کیونکہ ہم بہت کلوز ہیں۔" علی نے اسے تسلی دیتے ہوئے اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ذیشانہ! کیا کھاؤ گی؟" علی کی بات پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"یار علی! کمال کرتے ہو' بھابی ادھر مہمان ہیں۔ ان سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"عارف صاحب پلیز' آپ اس طرح تو مجھے نہ کہیں۔" انداز میں بلا کی معصومیت تھی۔ عارف اور علی ایک ساتھ ہنس پڑے۔

"آئی ایم سوری جی' کیا میں آپ کو ذیشانہ بہن کہہ کر بلا سکتا ہوں؟ ویسے بھی اس نالائق کے حوالے کی ضرورت نہیں۔" ذیشانہ نے ایک تشکر بھری نظر عارف پر ڈالی۔

علی اور عارف دنیا جہان کے قصے لیے بیٹھے تھے۔ وہ اپنی گفتگو میں ذیشانہ کو بھی شامل کر رہے تھے مگر وہ ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھی۔ چائے کے ساتھ علی نے بہت کچھ منگوالیا تھا اور بڑے اصرار سے ہر چیز اسے خود پیش کر رہا تھا۔ ذیشانہ نے تو برائے نام کھایا اور ایک پیالی چائے پی کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز' دیر ہو رہی ہے مجھے مارکیٹ پر چھوڑ آئیں۔" اس نے ٹائم دیکھ کر اپنی چادر درست کی۔

"یار علی' ذیشانہ بہن کو ڈراپ کر آؤ یہ پریشان ہو رہی ہیں۔"

"کیوں مسز آپ کو جانے کی بہت جلدی ہے جب کہ اپنا حال یہ ہے آپ کی معیت میں گزرا ایک گھنٹہ ایک منٹ بن کر گزر گیا۔" علی نے شرارت سے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔ علی کی بات پر ذیشانہ جھینپ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ذیشانہ! ایک منٹ رکو۔" علی اس کی طرف لپکا اور عارف کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی اس نے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔

"ذیشانہ میرے ساتھ آؤ۔" وہ اسے تھام کر برابر کے کمرے میں رکھی وارڈروب کے قریب لے آیا۔

"ذیشانہ! اسے کھولو۔" وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اٹھا رہا تھا۔ ایک تو وہ اس کی اتنی قربت سے گھبرائی ہوئی تھی اوپر سے اس کا یہ آرڈر۔

"پلیز آپ مجھے اس وقت جانے دیں۔" اس وقت وہ ایک سہمی ہوئی ہرنی کی مانند لگ رہی تھی۔ علی نے بڑھ کر اسے کھولا تو وہ مکمل اس کی پناہوں میں آ گئی کیونکہ دونوں اطراف علی کے بازو تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں تو الماری میں بے شمار چیزیں تھیں۔ کپڑے' کاسمیٹکس' جیولری' جوتے' پرفیوم ڈھیروں چیزیں علی نے نکال کر اس کے سامنے رکھیں۔

"مسز! یہ تمام چیزیں آپ کے لیے۔" علی نے پرفیوم چیک کرتے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ علی کی حرکت پر ایک دم بلش ہو گئی۔

"میں' مگر کیوں؟" وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"ارے یار ذیشی' یہ سب اس لیے کہ تم گھر میں شاپنگ کا کہہ کر آئی ہو۔" علی مسکراتے ہوئے بولا۔

"مگر یہ سب چیزیں کس کی ہیں؟" ذیشانہ نے حیرت سے علی کی طرف دیکھا۔ میں پچھلے دنوں حیدرآباد گیا تھا تو یہ تمام چیزیں اسی کے لیے لی ہیں جو مجھے اتنی دعاؤں کے بعد ملی ہے۔" اس نے گہری نظروں سے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔

"بات سنیں مسٹر شاہ زر علی خان' گفٹ جس کے لیے لیا جاتا ہے تو پھر دینا بھی اسے چاہیے۔ آئی ایم سوری' ذیشانہ کسی کے نام کی چیزیں ہرگز نہیں لیتی۔" وہ بڑے روکھے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"ڈیئر' کیا کروں وہ کیا محاورہ ہے کہ ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے اور ویسے تم تو۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ذیشانہ کا جائزہ لیا۔ علی کی ادھوری بات تو گویا جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔

"مسٹر علی! ذیشانہ حسن کوئی بھکاری نہیں کہ آپ دوسروں کے نام کی چیزیں اس کی جھولی میں ڈال دیں۔" اپنی یہ خیرات کی ضرورت مند کو دے کر دعائیں لینے کی کوشش کیجیے گا۔ ذیشانہ حسن اتنی استطاعت رکھتی ہے کہ ایسی ہزاروں چیزیں لے کر آپ جیسوں کے قدموں میں ڈال سکتی ہے' سمجھے آپ' میرے پیچھے آنے کی ضرورت نہیں گھر سے اکیلی آ سکتی ہوں تو پھر جانا کون سا مشکل ہے۔" وہ مسلسل بولتی' اپنی آنکھیں جو نمکین پانیوں سے لبالب بھری تھی ٹشو سے صاف کرتی' باہر کی طرف لپکی۔ علی نے تیزی سے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف کھینچا۔

"بات سنو' یہ میرا آفس ہے' یہاں تماشا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر زیادہ بکواس کی تو شاہ زر علی خان کو دماغ اور زبان دونوں اچھی طرح سے درست کرنے آتے ہیں۔ تم نے میری نرمی دیکھی ہے' سختی نہیں۔ میرے آگے بڑے بڑے طرم خان دم ہلاتے نظر آتے ہیں۔ تم' تم کیا ہو ایک کمزور سی لڑکی جو اس وقت مکمل طور پر شرعی' قانونی طور پر میری دسترس

Scanned with CamScanner

میں ہوٗ چاہوں تو کیا نہیں کرسکتا مگر کیا کروں تم میری مجبوری ہو۔ تم میرے لیے ایک ایسا بلینک چیک ہو جس کو کیش کرانے کے لیے مجھے بڑے بڑے پاپڑ بیلنے پڑ گئے ہیں۔'' شیر کی طرح دھاڑتا یہ شخص وہ تو نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے بڑے پیار ومحبت سے باتیں کررہا تھا۔ یہ تو ایک درندہ لگ رہا تھا۔ ساری چیزیں اس نے بڑی بے دردی سے لانگ شاپرز میں اڑسیں اور اسے کھینچتا گاڑی کی طرف بڑھا۔ آفس کے لوگ اسے اس طرح جاتے دیکھ کر مختلف تبصرے کررہے تھے مگر اس وقت اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ سامان کو اس نے زور سے گاڑی کے اندر پٹخا' ذیشانہ کو گاڑی کے اندر ڈالا اور تیزی سے گاڑی لے اڑا۔

''اپنا موڈ ٹھیک کرلو خوامخواہ خود ہلکان ہوتی ہو اور دوسروں کا دماغ بھی خراب کردیتی ہو۔'' اس نے روتی ہوئی ذیشانہ کو تنبیہ کی مگر اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ گاڑی کے بریک زور سے چرچرائے اور گاڑی کا انجن ایک جھٹکے سے بند ہوگیا۔

''ذیشانہ یہ پبلک مقام ہے' اپنے آنسو صاف کرلو۔'' وہ منت کررہا تھا۔

''آپ سے مطلب۔'' وہ بپھری ہوئی تھی۔

''اگر تم نے آنسو نہ پونچھے تو پھر میں جس طرح ان کو چنوں گا' مجھ سے گلہ نہ کرنا۔'' اس کی آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں اور ویسے بھی اس بندے سے کچھ بعید نہ تھا۔ ذیشانہ نے گھبرا کر جلدی سے اپنے آنسو صاف کرلیے اور سیدھی ہوکر اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

''ویری گڈ' یہ ہوئی نا بات۔'' علی نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے کپڑا مارکیٹ کے سامنے ڈراپ کیا۔ خود اس وقت تک ایک سائڈ پر موجود رہا جب تک اس کا ڈرائیور اسے لینے نہ آیا۔

علی واپس آفس آیا تو عارف جانے کے لیے تیار تھا۔

''اچھا یار میں چلتا ہوں۔ بھابی سے ملانے کا بہت شکریہ۔''

''بدتمیز انسان' میں تیری خاطر اسے مارکیٹ ڈراپ کر آیا ہوں کیونکہ گھر جاتے ہوئے کافی دیر لگ جاتی۔ ادھر تمہارے مزاج نہیں مل رہے۔'' علی کی بات پر بھی اس کے سیریس انداز میں فرق نہ آیا۔

''آج مان گیا ہوں شاہ زر علی خان صاحب کہ تم وڈیرے لوگ واقعی بڑے ظالم ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جب تمہیں اپنی زندگی کا حاصل مل جائے گا' جسے تم بچپن سے تلاش کررہے تھے اس ہستی سے یہ سلوک کرو گے۔ کل تک میں تمہاری دوستی پر نازاں تھا مگر آج مجھے شرم آرہی ہے کہ میں تم جیسے سفاک انسان کا دوست تھا۔ تم تو جیسے ہو وہ ہو مگر بھابھی کے سامنے میرا امیج بھی خراب کردیا۔ وری شیم یو۔'' عارف سنانے پر آیا تو سناتا چلا گیا۔

''یار عارف' پتا نہیں یہ سب کیوں کرتا ہوں مگر جب وہ سامنے آکر مجھے نظرانداز کرتی ہے تو پھر میں اپنے آپ میں نہیں رہتا' جس کو میں اپنی تمام تر سچائیوں سمیت چاہتا ہوں' وہ ہی مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ میرے بابا نے جتنی اذیت سے زندگی گزاری ہے مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ وہ آغا جان کے لیے کس کس طرح تڑپے ہیں' ایک چھوٹی سی خواہش پوری کرنے کی اتنی بڑی سزا کاٹی ہے۔ ہم لوگوں نے وہاں ایک قیدی کی طرح زندگی گزاری ہے۔ عارف! میں خوش ہوتا ہوں کہ اب منزل کے قریب آ گیا ہوں مگر ذیشانہ کا رویہ مجھے دوبارہ ٹینس کردیتا ہے۔ میں زبردستی کا قائل نہیں' یہ جو دلوں کے معاملے ہوتے ہیں نا بڑے نازک ہوتے ہیں کیا پتا ذیشانہ کسی میں انٹرسٹیڈ ہو' جب یہ سب سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کیا میں اس کے بنا جی سکوں گا یا بابا یہ صدمہ سہار سکیں گے؟'' بولتے بولتے علی نڈھال سا کرسی پر ٹک گیا۔

''یار! سب ٹھیک ہوجائے گا بھابھی تو بہت اچھی ہیں اگر ان کا رویہ خراب ہے تو صرف اس لیے کہ تم نے ایک انتہائی قدم اٹھایا ہے' جس کا میرے خیال میں کوئی اچھی اور شریف لڑکی تصور بھی نہیں کرسکتی۔ تم اگر ناراض ہو تو آغا جان سے' اس میں ذیشانہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جو تم اس کے لیے جلاد بن جاتے ہو۔''

''سوری یار۔'' علی شرمندگی سے بولا۔

''سوری بھابھی سے کرنا' اس وقت مجھے اجازت پھر میرے لیے کیا حکم ہے سرکار؟'' عارف مسکراتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

''یار! ناراض ہوکر جارہا ہے۔'' علی کی بات پر عارف کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''بھلا میں تجھ سے ناراض ہوسکتا ہوں۔ اچھا اللہ حافظ۔'' علی' عارف کو چھوڑنے باہر تک آیا۔ دروازے کے قریب ہی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا۔ جس پر ایک موبائل نمبر درج تھا' کس کا ہو سکتا ہے؟ وہ سوچتا ہوا ٹیبل کے قریب آیا اور عجلت سے نمبر ٹرائی کیا۔ تیسری بیپ پر فون ریسیو ہوا اور جو آواز سننے کو ملی وہ علی کی روح تک کو سرشار کرگئی۔ اچھا تو محترمہ موبائل بھی رکھتی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا۔

Scanned with CamScanner

"ہیلو۔" آواز اب بھی بھرائی ہوئی تھی دل کو کچھ ہونے لگا۔لعنت ہے تم پر علی کیوں کرتے ہو یہ سب۔وہ اپنے آپ سے لڑنے لگا۔

"ہیلو کون ہے؟" وہ بےزاری سے بولی۔

"ایم سوری ذیشانہ۔پلیز معاف کردو' پتا نہیں کیا بکواس کر گیا۔" علی ندامت سے بولا۔وہ تو حیرت سے اچھل پڑی کہ آخر موبائل نمبر اس کے ہاتھ کیسے لگا؟

"رانگ نمبر۔" وہ کٹھور لہجے میں بولی اپنی انسلٹ وہ بھولی نہیں تھی۔اس شخص کے الفاظ اب بھی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح کانوں میں گونج رہے تھے۔ پتا نہیں یہ شخص کیوں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔

"ذیشی! بس تم سے اتنا کہنا ہے۔" وہ بڑے گمبھیر لہجے میں بات کررہا تھا۔

ذیشانہ تو اس کی طلسماتی آواز میں کھوسی گئی جو کہہ رہا تھا۔

تیرے قریب آ کے بڑی الجھنوں میں ہوں
میں دشمنوں میں ہوں کہ تیرے دوستوں میں ہوں
مجھ سے گریز چاہے تو ہر راستہ بدل
میں سنگ راہ ہوں تو سبھی راستوں میں ہوں

"پلیز اس پر غور کرنا ٹیک کیئر۔" اس کے ساتھ ہی فون رکھ دیا گیا اور وہ کتنی دیر انہی مدہوش لفظوں میں ڈوبی رہی۔

☆☆

"آغا جان! پلیز آج تو اپنا وعدہ پورا کردیں۔اتنا عرصہ گزر گیا ہے آپ میری بےچینی کا اندازہ نہیں کرسکتے۔"

ذیشانہ نے ایک نظر سامنے بیٹھے آغا جان پر ڈالی' نجانے کس موڈ میں ہوں۔آخر ڈرتے ڈرتے بات کرنے کی ہمت پیدا کرلی۔وقار علی خان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری' ذیشانہ چپ چاپ انہیں تکے جارہی تھی۔

"ذیشانہ بیٹی! چھوڑو اس قصے کو۔" آغا جان آج بھی ٹالنے کے موڈ میں تھے۔

"آپ نے تو پرامس کیا تھا۔" ذیشانہ نے ہمت نہ ہاری۔

"کوئی مک مکا کی صورت نہیں ہوسکتی؟" آغا جان نے مسکراتے ہوئے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔

"آپ وعدہ خلافی کررہے ہیں۔" اس نے ناراضگی سے وقار علی خان کی طرف دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے تم کسی صورت ٹلنے والی نہیں۔" وہ پوتی کے آگے ہار مان گئے۔"پھر ذیشانہ بیٹا! آپ کو بھی ایک وعدہ کرنا ہوگا۔" آغا جان ایک دم سیریس ہوگئے۔

"بالکل آغا جان۔آپ جو وعدہ لیں میں تیار ہوں۔"

"ذیشانہ! جو باتیں میں تم سے کرنے جارہا ہوں ان کا ذکر کسی سے نہیں کرنا' چاہے شیروان ہی کیوں نہ ہو اور آئندہ کبھی اس ٹاپک پر مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گی۔" آغا جان سیدھے ہوکر بولے۔

"پرامس آغا جان۔پکا مسلمانوں والا وعدہ۔" ذیشانہ بڑی معصومیت سے بولی۔

"بات کچھ یوں ہے ذیشانہ بیٹی' ہمارے خاندان میں میٹرک سے آگے لڑکیوں کو پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔اگر ایک دو ایف اے کر بھی گئیں تو پرائیویٹ کیا' عالی کو بہت شوق تھا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا مگر میں اس کے حق میں نہ تھا۔" آغا جان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئے۔

"آغا جان یہ عالی کون تھی؟" ذیشانہ کے لہجے میں بلا کا تجسس تھا۔

"عالی تمہاری پھوپھی تھی۔" وقار علی خان بہت آہستہ بول رہے تھے۔ذیشانہ تو حیرت زدہ رہ گئی۔تایا ابو کے بارے میں اتنا جانتی تھی کہ کسی بات پر ناراض ہوکر گھر چھوڑ گئے تھے مگر عالیہ پھوپھی کے تو سرے سے وجود کا پتا نہ تھا۔

"احمد یار علی خان' حسن علی خان' عالیہ ہی تو میری کل کائنات تھے۔عالی بھائیوں کی بہت لاڈلی تھی پڑھائی کے معاملے میں دونوں اس کے حامی تھے۔آخر مجھے ہار ماننا پڑی اور عالی کو کالج میں ایڈمیشن مل گیا۔ہم لوگ گاؤں میں رہتے تھے اور روز آنا جانا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔اس لیے اسے ہوسٹل میں ڈال دیا اور احمد یار خان جب ڈاکٹر بن گیا تو ذیشانہ بیٹی تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کرسکتیں۔میں نے اس خوشی میں حیدرآباد والی بیس مربع زمین الگ سے احمد یار علی خان کے نام کردی۔اس میں تو میری جان تھی۔" بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا ذیشانہ نے دیکھا ان کے چہرے پر غموں کا عکس نمایاں تھا۔اس نے ایک دکھی نظر آغا جان پر ڈالی اور پیر کے انگوٹھے سے کارپٹ کھرچنے لگی۔وقار علی خان نے پوتی کی طرف دیکھا جو بڑے اشتیاق سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پھر ایک دن بیٹا۔" آغا جان ماضی میں کھو گئے۔"احمد یار علی خان امریکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے جانا چاہتے تھے۔وہ ڈاکٹری میں اور بھی بہت سے کورسز کرنے کے خواہش مند تھے

Digest Novels Lovers Group

لیکن میں نے ان کی اس خواہش کو رد کر دیا اور سخت مخالفت کر دی۔ مجبوراً احمد یار علی خان خاموش ہو گئے۔ میں نے احمد یار اور حسن یار کی شادیاں کر دیں تاکہ ذمے داری کی زندگی گزارنے لگیں۔ احمد یار علی خان دراصل ہارٹ سرجن بننا چاہتا تھا لیکن میری مخالفت نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ عالیہ اس وقت یونیورسٹی میں ایم اے انگلش کر رہی تھی۔ بھائی کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے گھر آئی ہوئی تھی۔ پورے گاؤں میں جشن کا سماں تھا۔ میری خوشی دیدنی تھی۔ لیکن یہ خوشی زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی۔ اس نے جلد ہی اپنی ماں کو بتا دیا کہ وہ اپنے کالاس فیلو صارم خان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ماں کے لیے یہ لمحے بہت بڑی آزمائش تھے۔ ماں نے بہت لتاڑا اور اسے بتایا کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اسے تعلیم مکمل کرنے کی اجازت ملی تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گی جس سے اس کے خاندان پر حرف آئے لیکن وہ یہ کام کر گئی تھی۔ اس نے ماں کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد بتا دیا کہ اس نے صارم خان سے کورٹ میرج کر لی ہے۔" آغا جان ایک دم خاموش ہو کر سر سہلانے لگے۔ شاید وہ پھر ماضی کی تلخی کو محسوس کرنے لگے تھے۔

"پھر کیا ہوا؟" ذیشانہ نے انہیں ٹھنڈا پانی پیش کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ آغا جان کی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔

"پھر بہت کچھ ہوا' دونوں بھائی سکتے میں رہ گئے۔ میں بیٹی کی اس نافرمانی پر سر جھکا گیا اور پھر میں نے اسے تمام خاندانی رسوم کے ساتھ رخصت کر دیا مگر رخصت کرتے وقت میں یہ کہنا نہ بھولا تھا کہ اب آئندہ وہ ساری عمر اس ڈیوڑھی پر قدم نہیں رکھ سکتی۔" آغا جان نے ایک طویل سانس لی۔ "ذیشانہ بیٹا! اب میں جو کچھ تمہیں بتا رہا ہوں اس کا براہ راست تم سے تعلق ہے۔ احمد یار علی خان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ حسن کے تم اور شیروان تھے۔ ایک دن شام کے وقت سب اکٹھا تھے۔ احمد نے ایک عجیب خواہش کا اظہار کر دیا۔ اس نے اپنے بیٹے شاہو کے لیے تمہیں مانگ لیا۔ بات اچھی بھی تھی اور خاندانی روایات کے مطابق بھی۔ میں نے حسن سے پوچھا اس نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے ہر بات کا اختیار دے دیا۔ میں نے بھی اپنی رضامندی دے دی۔ اس طرح احمد نے شاہو کے نام کی انگوٹھی تمہیں پہنا دی۔" آغا جان کے انکشاف پر ذیشانہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ آغا جان کی نگاہیں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"پھر کیا ہوا؟" ذیشانہ آج سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

آغا جان پر خیال انداز میں بولے۔

"مجھے قطعی اندازہ نہ ہو سکا کہ احمد یار علی خان امریکہ جانے کی اپنی خواہش کو ختم نہیں کر سکا تھا۔ ایک دن انہوں نے پھر امریکہ جانے کا اظہار کیا۔ میں پھر بھڑک اٹھا مجھے حیرت بھی ہوئی کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی احمد اپنی خواہش کو رد نہ کر سکا۔ میں نے حسب سابق مخالفت کی لیکن اس بار وہ بھی اڑ گیا کہ وہ اس بار امریکہ جا کر دم لے گا۔ اب وہ شادی شدہ اور ذمے دار باپ ہے۔ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے۔ شاید میں بھی انا پرستی کی انتہا پر تھا۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ وہ اپنے بیوی' بچوں کو ساتھ لے جائے اور پھر کبھی اس حویلی میں قدم نہ رکھے۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ بچوں' بیوی سمیت حویلی سے نکل گیا اور امریکہ چلا گیا۔ کبھی نہ آنے کے لیے۔ پھر اس کا اور عالیہ کا نام بھی کوئی گھر میں نہیں لے سکتا تھا۔ آغا جان ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ذیشانہ بیٹی! تمہاری پڑھائی کا مسئلہ ہوا تو ہمیں مجبوراً کراچی سیٹ ہونا پڑا کیونکہ ایک اور عالی کو کھونے کی ہمت نہیں تھی ہم لوگوں میں۔" یہ سب بتاتے ہوئے آغا جان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ رومال سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

ذیشانہ تو حیرت زدہ تھی۔ وہ آغا جان کی بتائی ہوئی باتوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ یہ بات آج سمجھ میں آئی تھی کہ بی بی جان وزیر صحت کی ہر خبر پڑھتی تھیں اور ذیشانہ سے ضرور ڈسکس کرتی تھیں اور اس وقت ان کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہو جاتے۔ آج کے انکشافات ایسے تھے کہ ذیشانہ لاکھ ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی مگر آغا جان کا ایک ایک لفظ بار بار اس کے دماغ کو الجھا دیتا۔ اس کا دھیان اپنے کزن شاہو کی طرف چلا گیا۔ جس کے پورے نام سے بھی ناواقف تھی اور ان کی خاندانی روایات کے مطابق وہ اس کا اصل حقدار تھا مگر وہ تو اپنے تمام حقوق کسی دوسرے کے نام کر چکی تھی اور علی کا خیال آتے ہی ڈھیر سارے آنسو پلکوں کا بند توڑ کر بہنے لگے۔

☆☆

سرمد ملک لاہور کے بہت بڑے تاجر تھے۔ بڑا بیٹا سالک ملک ڈپٹی کمشنر تھا اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ملتان میں رہتا تھا۔ پھر شجیعہ ملک تھی جس کی شادی پچھلے دنوں ہوئی تھی۔ پھر عارف کا نمبر تھا جو امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر امریکہ سے لوٹا تھا اور اپنا بزنس کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سب

Scanned with CamScanner

سے چھوٹی مشعل ملک تھی جو ایف ایس سی کر رہی تھی اور فیوچر میں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ یہ فیملی بڑے پیار اور محبت سے رہتی تھی۔ خوش رہنا اور خوش رکھنا یہ فن انہیں ورثے میں ملا تھا۔ یہ لوگ جیو اور جینے دو کے اصول پر زندگی گزارنے کے قائل تھے۔ آج تو سورج خوشیاں لے کر طلوع ہوا تھا کیونکہ وہ لوگ اپنے لاڈلے بیٹے عارف ملک کے بر دکھاوے کے لیے جا رہے تھے۔ مشعل سے بڑھ کر بیگم سرمد پر جوش تھیں۔

وہ لوگ بائی ایئر کراچی پہنچے تھے اور وہاں سے علی ان کو اپنی پجیرو پر حیدر آباد لے آیا تھا۔ تمام راستہ علی اور عارف کی دلچسپ نوک جھونک چلتی رہی۔ سرمد ملک بھی کبھی کبھی دونوں کی باتوں میں شامل ہو جاتے۔ وہ لوگ شام چھ بجے حیدر آباد پہنچے۔ احمد یار علی خان، مسز احمد یار، شاہ نیل، فلک ناز سب لوگ ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ علی انہیں لے کر اندر آیا سب لوگوں سے آگے مسز سرمد تھیں اور جیسے ہی ان کی نظر سامنے بیٹھے شخص پر پڑی تو یوں لگا جیسے وقت تھم گیا ہو اور ہر چیز ان کی نظروں کی طرح ساکت ہو گئی ہو اور پھر ان کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔ ''احمد بھائی۔'' اور ادھر بھی حالت مختلف نہ تھی۔

''عالی میری جان۔'' وہ ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باقی لوگوں کی کیفیت کچھ نہ سمجھنے والی تھی۔ پھر سرمد ملک نے عالیہ بیگم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور عالیہ بیگم دوڑ کر بھائی کے کشادہ سینے میں یوں سما گئیں جیسے کوئی چھوٹی بچی ہوں۔ اتنے عرصے بعد جب دو بچھڑے ملے تو گویا آنسوؤں کی برسات ہو گئی۔ باقی سب بھی خوشی سے بہتے ان اشکوں میں شامل تھے۔

عالیہ بیگم حیران تھیں کہ بھائی سب گھر والوں سے الگ کیسے۔ بڑوں کو اپنا بھرم بھی رکھنا تھا لہٰذا نیو جنریشن کو باہر جانے کا سگنل مل گیا۔ علی سب کو لے کر لان میں چلا آیا ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے وہ لوگ خوش گپیوں میں لگ گئے۔

''یار علی! یہ اپنے بڑے خاصے مطلب پرست نکلے ہم ملانے والوں کو یوں باہر نکال دیا جیسے آٹے سے بال۔'' عارف نے شرارت سے فلک کی طرف دیکھا۔

رات ان لوگوں نے حیدر آباد میں گزاری رات کیا تھی دن سے بڑھ کر ایک پل کو بھی کوئی نہ سو سکا۔ عالیہ بیگم نے بھائی کے آگے جھولی پھیلائی تو انہوں نے بہن کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔ جاتے وقت عارف ماں کو شرارت سے چھیڑ رہا تھا۔

''امی! بھائی کے لیے تو آپ نے بڑی جوتیاں گھسائیں مگر میری دفعہ ایک ہی بار آ کے کام پکا کر دیا۔'' اس کی شوخیوں سے بھرپور نظر فلک پر ٹکی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر خان نے اپنے ساتھ کھڑے بھانجے کا کان زور سے مروڑا اور بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

''ارے مارے گئے ماموں جان عارف کے ماموں کہنے پر ان کی روح تک سرشار ہو گئی۔

پھر جلد ہی عارف اور فلک کی منگنی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ باقی سب یہ ہی چاہتے تھے کہ منگنی حیدر آباد میں ہو جب کہ علی کی ضد تھی کہ فنکشن کراچی میں ہو۔ مشعل اور عارف کو کچھ شاپنگ کرنی تھی۔ اس لیے آج کل کراچی آئے ہوئے تھے۔ رات کو دونوں دوست علی کے کمرے میں گپ شپ لگا رہے تھے۔

''ویسے یار علی! تم ذیشانہ کی وجہ سے فنکشن ادھر کرانا چاہتے ہو۔ ارے یار اب تو وہ اپنی بھی کزن ہے۔

''علی یار، تم اندازہ نہیں کر سکتے میری خوشی، کا مجھے ہمیشہ سے ننھیال والوں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔''

''ہاں، اپنے تو اپنے ہوتے ہیں میں بھی ذیشانہ کو پا کر بہت خوش ہوں مگر ابھی میری یہ خوشی نامکمل ہے۔ میں تو اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں جب ہم سب لوگ مل جائیں گے۔'' علی بڑے جذب سے بول رہا تھا۔ عارف یار! میں ذیشانہ کو بابا سے ملانا چاہتا ہوں۔ اس لیے تو چاہتا ہوں کہ منگنی ادھر ہو۔'' علی نے وجہ بتائی۔ ''کیوں ڈرامے کا ڈراپ سین کرنا چاہتے ہو۔''

''ارے یہ سب کرنا اتنا آسان ہے، میں نے بابا کو ذیشی لوگوں کا بتایا ہے۔ بس بابا ان کے بارے میں اتنا جانتے ہیں کہ میں ان سے مل چکا ہوں۔ بابا تو اس سے مل کر خوش ہو جائیں گے۔ باقی تو کوئی کچھ نہیں جانتا۔'' علی کے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ تھی۔

''پکے چار سو بیس ہو۔''

علی کارڈ چھپوا کر آیا تو تین چار کارڈ فلک کو دیتے ہوئے بولا۔ ''فلک تم اپنی دوستوں کو دے دینا۔''

''بھائی! میری تو صرف ایک دوست ہے ذیشانہ مگر آپ کو پتا نہیں اس سے کیا پرخاش ہے۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''ارے نہیں گڑیا، تم ضرور بلاؤ۔ ہمیں تو تمہاری خوشی بہت عزیز ہے۔'' وہ اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اصل میں وہ چاہ رہا تھا کہ ذیشانہ بھی ضرور شرکت کرے

اور فلک کو بھی کچھ محسوس نہ ہو۔

فلک نے ذیشانہ کو کارڈ دیتے ہوئے آنے کی خاص طور پر تاکید کی تو وہ اس کے خلوص کو نہ ٹھکرا سکی۔ آغا جان سے اس نے کہہ سن کر فلک کی منگنی میں شرکت کی اجازت لے لی تھی۔ آغا جان نے بھی جلد واپس آنے کی تاکید کے ساتھ اسے اجازت دے دی تھی۔

منگنی والے دن اس نے کیمل کلر کے وائٹ موتیوں اور نگوں والے کام کے شلوار قمیص پر بڑا سا دوپٹہ اوڑھے کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس اور گلے میں چین ڈالے لائٹ میک اپ میں اس کا چہرہ چاند کی مانند دمک رہا تھا۔ وہ آج نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔ شیروان بھی اس کے ہمراہ تھا۔

جب یہ لوگ فلک کے گھر پہنچے تو گیٹ پر علی اور شاہ نیل مہمانوں کو ریسیو کررہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی علی ان کی طرف بڑھ آیا اور بڑے تپاک سے شیروان کو گلے سے لگالیا۔

''السلام علیکم مس حسن' کیسی ہیں آپ؟'' وہ بڑی شرافت سے اس کا حال پوچھ رہا تھا۔ وہ انہیں لے کر اندر کی طرف آیا اور فرسٹ لائن میں انہیں بٹھاتا ہوا بولا۔

''آپ لوگ ادھر بیٹھیں میں ابھی آتا ہوں' شیروان یار پلیز مائنڈ مت کرنا۔'' شیروان تو اس کے رویے کی تبدیلی پر حیران تھا۔ علی سیدھا بابا جان کے کمرے میں چلا آیا۔

''بابا! ذیشانہ اور شیروان آئے ہوئے ہیں۔'' ڈاکٹر خان بے تابی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''علی! مجھے جلدی لے چلو۔ میں ایک بار دونوں کو جی بھر کر پیار کرنا چاہتا ہوں۔''

''پلیز بابا آرام سے' ذیشانہ بے شک فلک کی دوست ہے مگر وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ فلک کو معلوم ہے کہ ذیشانہ کون ہے۔ وہ دونوں تو پہلی مرتبہ ہمارے ہاں آئے ہیں۔ آپ جذباتی نہ ہوں' میرے خیال میں ہمیں وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ شیروان سے تو میری دوسری ملاقات ہے۔ ویسے بھی اماں' فلک' شاہ نیل اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آپ ضرور ملیں ان سے مگر اپنا آپ چھپا کر۔'' وہ انہیں سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

''یار علی' مت لگاؤ مجھ پر پابندیاں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کیا پتا پھر زندگی میں یہ لمحے آئیں نہ آئیں۔'' احمد یار علی خان رنجیدہ ہوگئے۔

''بابا پلیز۔'' سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اس لیے تو ادھر کراچی میں فنکشن رکھا ہے تاکہ آپ ان سے مل سکیں۔'' وہ انہیں تسلیاں دیتا باہر چلا گیا۔

ذیشانہ اندر فلک کے پاس تھی جب کہ شاہ نیل اور علی شیروان کے ساتھ گپ شپ لگارہے تھے۔ شاہ نیل تو خاصا حیران تھا کہ ریزرو رہنے والا علی' آج خوب چہک رہا تھا اور شیروان کو اپنی پرلطف باتوں سے محظوظ کررہا تھا۔ فلک کا کمرہ لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ذیشانہ بار بار عارف کا نام لے کر اسے چھیڑ رہی تھی۔ ہنسی' مذاق' قہقہے.... محفل عروج پر تھی کہ اچانک دروازہ بجا۔

''ذیشانہ! دیکھنا کون ہے؟'' فلک نے اس سے کہا تو وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی دروازے کی طرف بڑھی۔ دل پتا نہیں کیوں تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر خود حیران تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے آنے والے کی طرف دیکھا۔

''ذیشانہ چلیں آپ کو شیروان بلارہا ہے۔'' سامنے کھڑا علی اس سے بڑی شرافت سے بات کررہا تھا۔

''جی اچھا' میں آرہی ہوں۔'' اس نے اپنی منتشر دھڑکنوں کو سنبھالا۔

''پلیز جلدی آئیں' میرے ساتھ۔'' وہ اس وقت عجلت میں لگ رہا تھا۔ ناچار اسے ساتھ آنا پڑا۔ کمرے سے باہر آتے ہی علی نے اس کا بھرپور نظروں سے جائزہ لیا۔

''یار مسز' آج تو غضب ڈھا رہی ہو۔ کچھ تو مجھ غریب پر رحم کرو۔ کیوں اپنے جلوے دکھا کر اس ناچیز کو دیوانہ بنارہی ہو۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔ ''ویسے یار اگر نظر کرم ہو تو کپل اے ون ہے۔'' ذیشانہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وائٹ شلوار پر کیمل کلر کے راسلک کرتے میں جس کے بازو پر ایک ایک وائٹ کلر کا پھول بنایا گیا تھا' سائیڈ پر کیمل کلر کی چادر ڈالے اپنے مخصوص انداز میں اپالو کا مجسمہ لگ رہا تھا۔

''ذیشی یار! نظر لگانے کا ارادہ ہے۔ ویسے بھی ما بدولت پر ہزار نظریں لگی ہوئی ہیں۔ تم کچھ خیال کرو' لوگ ادھر سے آجارہے ہیں۔'' وہ اس کی طرف جھکا کہہ رہا تھا' انداز میں بڑی شرارت تھی۔ اس کے انداز پر وہ بلش ہوگئی۔ نجانے کیسا طلسم تھا اس شخص کی ذات کے اندر جو ہر دفعہ ذیشانہ حسن کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا۔

احمد یار علی خان نے دونوں کو دور سے ایک ساتھ آتے دیکھا تو

Scanned with CamScanner

دل ہی دل میں کئی آیات پڑھ کر ان کی نظر اتارنے لگے۔

"ذیشی! چلو تمہیں اور شیروان کو تمہارے سسر سے ملاؤں۔" وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ پھر شیروان اور ذیشانہ کو لے کر اس طرف بڑھ آیا۔ جہاں بابا صوفے پر تنہا بیٹھے تھے۔

"بابا! ان سے ملیں یہ ہیں شیروان اور ان کے ساتھ ان کی سسٹر ذیشانہ حسن اور یہ ہیں میرے پیارے بابا جانی۔"

ڈاکٹر خان علی سے مسکراتے ہوئے تعارف کروایا اور بڑی محبت سے دونوں بازو باپ کے گلے میں ڈال لیے۔ احمد یار علی خان بڑی بے تابی سے ان دونوں کی طرف بڑھے اور بڑے پیار سے دونوں کو اپنے قریب صوفے پر بٹھا دیا۔ وہ دونوں ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوئے۔ علی انہیں چھوڑ کر پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔

"بیٹا! آپ کیا کرتے ہو؟" وہ بڑی محبت سے شیروان سے مخاطب ہوئے۔

"انکل! میں ڈاکٹر ہوں اور ذیشانہ فلک بہن کے ساتھ پڑھتی ہے۔" ذیشانہ کبھی شیروان کی طرف دیکھتی اور کبھی احمد یار علی خان کی طرف کیونکہ دونوں کی شکلیں آپس میں یوں مل رہی تھی جیسے باپ بیٹا۔ بھائی کی شکل تو پاپا سے بھی اتنی نہیں ملتی جتنی ڈاکٹر خان سے مل رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔

"شیروان بیٹا آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟" اس وقت ڈاکٹر خان کا دل کر رہا تھا کہ وہ ان لوگوں سے ڈھیروں باتیں کریں اور وہاں کے بارے میں سب جان لیں۔

"پاپا کا اپنا بزنس ہے۔ آپ نے شاید حسن علی خان کا نام سنا ہو یا آغا جان کے بارے میں جانتے ہوں، میرے دادا کا نام وقار علی خان ہے۔" شیروان تفصیل بتانے لگا۔

وہ لوگ کافی دیر اُن کے پاس بیٹھے رہے پھر فلک کے سسرال والے آ گئے۔ دولہا دلہن کو اسٹیج پر لایا گیا۔ شیروان کی نظریں بار بار بھٹک کر مشعل کی طرف جاتیں اور ذیشانہ بھائی کی چوری پکڑ چکی تھی۔

"شیری بھائی اپنی نظروں کو کنٹرول میں رکھیں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"ذیشانہ! یہ لڑکی کون ہے؟" شیروان کی آنکھیں اس کا ذکر کرتے چمگا اٹھی۔

"جناب، یہ دولہا کی بہن ہے، مشعل۔"

"اپنے نام کی طرح روشن ہے۔" شیروان کی آنکھوں میں شریری چمک تھی۔

واپسی پر دونوں اُن لوگوں کی باتیں کرتے آئے۔ شیروان خاص طور پر علی کے والد سے بہت متاثر ہوا تھا۔ فنکشن ختم ہوا تو علی بابا کے پاس کمرے میں چلا آیا۔ دونوں آج کی تقریب کو ڈسکس کر رہے تھے۔

"علی! آج میں بہت خوش ہوں، ذیشانہ اور شیری سے مل کر۔ میرا سیروں خون بڑھ گیا ہے۔" احمد علی کا لہجہ کھنکروؤں کی طرح کھنک رہا تھا۔

"بابا! آپ نے دیکھا شیروان بالکل آپ کی کاپی ہے۔ اگر آپ کی جوانی کی تصویر اور شیری کی اسنیپ ایک ساتھ رکھیں تو پہچان مشکل ہو جائے گی۔" علی نے بابا کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں ستاروں کی مانند دمک رہی تھیں۔ دونوں باپ بیٹا یوں خوش تھے، جیسے دونوں جہاں کی دولت مل گئی ہو۔

☆☆

کافی دن گزر گئے نہ تو علی کا فون آیا اور نہ کالج آتے جاتے سامنا ہوا۔ ذیشانہ غیر ارادی طور پر اس کے فون کی منتظر تھی۔ پتہ نہیں ہر وقت اس بندے کا خیال دماغ پر کیوں چھایا رہتا ہے۔ وہ اپنے بیڈ پر لیٹی اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا ذیشانہ حسن تمہیں اس شخص سے محبت ہو گئی ہے؟ وہ اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ "نہیں، دماغ نے فوراً نفی کر دی۔" پھر ہر وقت اس کا خیال کیا معنی رکھتا ہے؟" دل نے دماغ کو جھٹلایا۔ پھر وہ احمد یار علی خان کے بارے میں سوچنے لگی۔ آخر وہ ان سے اتنی متاثر کیوں ہے؟ ان سے مل کر یوں لگا تھا جیسے جنم جنم کی شناسائی ہو۔ سوچتے سوچتے وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

موبائل زور سے بج رہا تھا، وہ گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے جماہی لی اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا، اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچتے ہوئے فون اٹھایا۔ "ہیلو۔" آواز نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو؟" علی کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تو نیند پر لگا کر اڑ گئی۔ ایک تو بے وقت فون اوپر سے مخاطب کرنے کا انداز۔ "ہیلو، مسز شاہ زر علی خان نیند میں ہیں یا جاگ چکی ہیں۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"اس وقت فون کرنے کی کیا تک تھی؟" وہ روٹھے انداز میں بولی۔

"ارے ڈیئر، یہ ہی صحیح وقت ہے تم سے بات کرنے کا، سچی اس وقت میں تمہیں بہت مس کر رہا تھا، سوچا تم سے بات کر لوں،

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

شاید نیند آجائے۔ بڑا بے چین تھا کروٹیں بدل بدل کر بے حال ہو رہا تھا۔" وہ اس کے انداز پر ایک دم روہانسی ہوگئی۔

"جو بات کرنی ہے' پلیز جلدی کریں۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ علی کی بات درمیان میں کاٹ کر بولی۔

"باتیں تو جانم کئی ہزار کرنی ہیں' پہلے تم نیند کی چھٹی کردو ورنہ مابدولت کو تین سو تین طریقے آتے ہیں' اُسے بھگانے کے۔"

"ذیشی! فلک کی منگنی کی اسنیپ تمہاری تو اے ون آئی ہیں۔ کئی ایک تو میں نے اپنے سرہانے رکھ چھوڑی ہیں' تمہارے بنا اب دل نہیں لگتا جاناں۔" علی نے ٹھنڈی آہ بھری اور ذیشانہ حسن تپ ہی تو گئی اُس کے انداز پر۔

"یہ آپ تھرڈ کلاس باتوں پر کیوں اتر آئے ہیں؟"

"کیا کرتا' مجبوری تھی۔ جس سے میں اس طرح کی باتیں کرتا ہوں' وہ آج کل اپنے دادا کی قید میں ہے۔" اس کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا مگر وہ اس وقت اس کی شرارت بھرے انداز کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ تو اس کی باتوں پر سلگ اٹھی تھی۔

"شکر ہے' آج آپ نے اپنی حقیقت بیان کردی مسٹر شاہ زر علی خان صاحب۔ اب تک میں نے آپ کا بہت لحاظ کرلیا' آخر آپ کیا چیز ہیں' دنیا کی نظروں میں تو آپ پارسا بن کر دھول جھونک سکتے ہیں مگر ذیشانہ حسن آپ کی اصلیت جان گئی ہے اور میں ایسی لڑکی نہیں ہوں' جس کو آپ بہلا وہ سمجھ کر وقت گزار سکیں۔ جرم تو میں نے بھی کیا ہے' اپنے خاندان کا مان توڑ کر' اس کی سزا بھی مجھے ضرور ملے گی اور ملنی بھی چاہیے کیوں کہ میں بھی مجرم ہوں۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

"ذیشی پلیز' کول ڈاؤن۔ تم نے کچھ نہیں کیا' تم تو اب بھی فرشتوں کی طرح پاکیزہ ہو۔" علی بدستور نرم رویہ اپنائے ہوئے تھا۔

"میں مجرم ہوں' سنا آپ نے مسٹر علی' میں آپ جیسے چیپ اور گرے ہوئے انسان سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ آئندہ نہ تو فون کرنا اور نہ کوئی رابطہ کرنا۔ جتنا ذلت آپ کر سکتے تھے میری' وہ آپ نے کرلی' آخر جرم کیا تھا میرا جو یوں مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہے ہیں۔ آپ اپنی ظاہری خوب صورتی کی وجہ سے دوسری ہزاروں لڑکیوں کے آئیڈیل ہوسکتے ہیں' مگر ذیشانہ حسن کے نہیں۔ آئی ہیٹ یو مسٹر علی۔ باقی رہا وہ تعلق جس کی بنیاد پر آپ مجھے بلیک میل کررہے ہیں تو جلد ہی کورٹ سے خلع کا نوٹس آپ کو مل جائے گا۔ اگر آئندہ رابطہ کرنے کی کوشش کی تو لحاظ بالکل نہیں کروں گی۔" بولتے بولتے وہ ہانپ گئی۔

"اپنی بکواس بند کرو' بدد ماغ لڑکی' اگر خلع کا نوٹس بھجوایا تو میں خود اس سے پہلے جو سلوک تم سے کروں گا' اگر ذرا بھی اندازہ ہوجائے تو یہ جو تمہاری سانس آجا رہی ہے' اس کی ڈور ابھی ٹوٹ جائے گی۔ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو ساری دنیا کے لیے عبرت کا نشان بن جاؤ گی۔ میں جیسا بھی ہوں' تم کون ہوتی ہو میرے کردار کو نشانہ بنانے والی۔ صرف تین بولوں کے بل بوتوں پر اتنا حق جتاتی ہو' ویسے بھی میرے نزدیک پیپر میرج کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر تم سے ناتا جوڑا ہے تو اس کی بھی ایک وجہ ہے اور رابطہ بھی اس لیے رکھتا ہوں تاکہ تمہیں اپنی حیثیت یاد رہے۔" علی اس وقت اپنے آپ میں نہیں لگ رہا تھا اور ذیشانہ تو یوں رو رہی تھی گویا آنسو کے سمندر بہاڈالے گی۔

"بند کرو یہ اپنے بودے ہتھیار' تم کیا سمجھتی ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا اور تم اپنے آئیڈیل سے شادی کرسکو گی۔ نو' نیور مس ذیشانہ حسن' یہ تو تم بھولے سے خواب بھی نہ دیکھنا۔" ریسیور ذیشانہ حسن کے ہاتھ سے دور جا گرا۔ وہ بے دم ہو کر بیڈ پر لڑھک گئی۔

☆☆

علی بڑی بے چینی سے اپنے بیڈ پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ کسی کل چین نصیب نہ تھا' سر مارے درد کے پھٹا جارہا تھا۔ اپنے گھنے بالوں کو دونوں مٹھیوں میں جکڑے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شب بیداری کی وجہ سے پپوٹے سوج گئے تھے۔ آنکھیں یوں لگ رہی تھیں' جیسے سرخ انگارا۔ "شاہ زر علی خان تمہیں خود پر بڑا ناز تھا' بہت مان تھا اپنی پارسائی کا جس کی تلاش میں عمر تیاگ دی' آج وہی لڑکی تمہیں آئینہ دکھا رہی تھی۔ میں اور میرا باپ کس طرح دیوانے ہیں ان لوگوں کے لیے مگر یہ لڑکی تو میرے وجود سے ہی ناواقف ہے۔" دکھ کی ایک لہر علی کی روح میں اتر گئی۔ تمہاری ذات کے غرور کو کس طرح پاش پاش کردیا۔ آئی ہیٹ یو شاہ زر علی خان' ذیشانہ کے جملوں کی بازگشت دماغ میں ہتھوڑے کی طرح ضرب لگا رہی تھی۔ "آئی ہیٹ یو مسٹر شاہ زر علی خان۔" ذیشانہ کی نفرت سے بھرپور آواز پھر کانوں میں گونجی۔ "اُف میرے خدا۔" اس نے اپنا گھومتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پھر اسے کچھ یاد نہ رہا وہ اپنے آپ سے غافل ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

فلک کالج کے لیے تیار ہوکر اپنے کمرے سے باہر نکلی تو علی نظر نہ آیا۔ روزانہ تو وہ اس وقت اخبار دیکھتے ہوئے ناشتہ کررہا ہوتا تھا۔ وہ سوچتے ہوئے علی کے بیڈروم میں چلی آئی۔ بیڈ پر بے ترتیبی سے لیٹا وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ اس نے پریشانی سے اس کا بازو ہلایا تو یوں لگا جیسے دہکتے انگاروں کو چھولیا ہو۔ وہ حواس باختہ سی باہر کی طرف بھاگی۔

''السلام علیکم محترمہ! خیر تو ہے یہ رخ روشن پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟'' عارف نے مسکراتے ہوئے فلک کو چھیڑا۔

''پتہ نہیں بھائی کو'' وہ بس اتنا کہہ سکی۔ عارف ابھی ابھی آیا تھا۔ اس کی پریشان شکل دیکھ کر علی کے کمرے کی طرف بھاگا۔

''یار علی! ہوش میں آؤ۔'' وہ اسے اپنے بازوؤں میں لیے جھنجھوڑ رہا تھا مگر وہ تو دنیا جہاں سے بے گانہ تھا۔ عارف نے تکیہ ایک طرف کیا تو ذیشانہ کی تین چار تصویریں پھسل کر نیچے گر پڑیں۔ اس نے تصویریں سائڈ دراز میں رکھیں۔ علی جیسے شیر جوان کو بڑی مشکل سے اٹھائے وہ باہر کی طرف بھاگا۔

''عارف' پلیز! بتاؤ کیا ہوا ہے میرے بھائی کو؟'' فلک پریشانی سے بولی۔ وہ کیا بتاتا' وہ خود ابھی آیا تھا۔ اس کی تو اپنی حالت خراب تھی۔ اس کا جان سے پیارا دوست زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا۔

''فلک! دعا کرو۔ انشاء اللہ علی ٹھیک ہوجائے گا۔ چلو اسے اسپتال لے چلتے ہیں۔'' وہ علی کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ علی کی حالت اس سے دیکھی نہیں جارہی تھی مگر وہ بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا۔ فلک کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر وہ گاڑی تیزی سے لے اڑا۔ اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں اسے ایڈمٹ کرلیا گیا۔

''عارف! پلیز' بابا جان کو فون کرو۔'' فلک بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''گھبراؤ نہیں فلک' بس تم دعا کرو' سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ماموں جان خواہ مخواہ پریشان ہوجائیں گے۔ خدا پر بھروسہ رکھو' وہ بہت مہربان ہے۔'' پریشان تو وہ خود بھی تھا مگر اسے تسلی دے رہا تھا۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر کمرے سے باہر آیا۔ اس کی نظر جیسے ہی فلک پر پڑی' وہ اس طرف چلا آیا۔

''ارے فلک' بہن' آپ یہاں' خیر تو ہے۔''

''آپ کی تعریف؟'' عارف نے شیروان کو مخاطب کیا۔

''عارف' یہ شیروان بھائی ہیں۔ ذیشانہ کے برادر۔''

''ذیشانہ کے بھائی۔'' عارف خود سے مخاطب تھا اور پھر اس نے بڑھ کر شیروان کو بڑے خلوص سے گلے لگالیا۔ علی کا سن کر شیروان بھی پریشان ہوگیا۔ وہ سارا وقت ان لوگوں کے ساتھ رہا۔ علی کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظروں کے سامنے آجاتا اور وہ اس کی زندگی کی دعا کرنے لگتا۔

رات کے ایک بجے علی کو ہوش آیا تو سب لوگوں نے کلمہ شکر ادا کیا۔

''اچھا جی' اگر آپ کی اجازت ہو تو میں گھر جاؤں۔'' شیروان جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔

''شیروان! تمہارا بہت شکریہ۔ تم نے ہم لوگوں کا بڑا ساتھ دیا۔''

''یار عارف' تم مجھے شرمندہ نہ کرو' ڈاکٹر ہونے کے ناتے یہ میرا فرض ہے اور ویسے بھی علی میرے دوستوں جیسا ہے۔''

''شیروان! میرا ایک کام ہے' تم جاتے ہوئے فلک کو گھر ڈراپ کرتے جانا۔'' عارف نے شیروان کی طرف دیکھا۔

''ہاں' کیوں نہیں' فلک! آئیں میرے ساتھ۔ اچھا عارف بھائی' کل انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔'' شیروان فلک کو لے کر روانہ ہوگیا۔

''شیروان بیٹا! رات تم بہت دیر سے آئے۔ خیریت تو تھی نا؟'' صبح ناشتے کی میز پر آغا جان نے شیروان سے پوچھا۔

''اصل میں آغا جان رات ایک ایمرجنسی کیس آگیا تھا۔ فلک کے بھائی ہیں نا علی' کل ان کو ایمرجنسی میں لایا گیا۔ فلک اور عارف ساتھ تھے۔'' شیروان نے آغا جان کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے اللہ کا کرم ہوگیا' اسے کوئی شاک لگا ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی۔ رات ایک بجے وہ ہوش میں آیا تھا اور فلک کو گھر ڈراپ کرتا آیا ہوں' میں ادھر جاؤں گا۔ ذیشانہ چلتی ہو۔'' شیروان نے تمام تفصیل بیان کرکے ذیشانہ کو ساتھ چلنے کی آفر کی۔ باقی سب لوگ ناشتے میں مصروف تھے۔ وہ حیرت سے بھائی کو تکے جارہی تھی۔ دل کی حالت یوں تھی' جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔ پاگل من ایک نظر دیکھنے کے لیے مچل اٹھا' مگر وہ وہاں کس منہ سے جاتی۔ اس شخص کے سامنے جو اس سے اتنا متنفر تھا' آنسو تھے چھلکنے کو بے تاب' وہ ٹیبل سے اٹھی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ شیروان نے جاتی ہوئی ذیشانہ کو حیرانی سے دیکھا۔ کمرے میں آتے ہی ضبط جواب دے گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆☆

Scanned with CamScanner

"علی یار! فلک بتا رہی تھی کہ رات کو تو تم ٹھیک ٹھاک تھے پھر یہ اچانک تمہیں کیا ہوا، ایسا کون سا شاک تھا جس نے تمہاری یہ حالت کردی ہے؟" عارف کی نظریں علی پر مرکوز تھیں جو ایک رات میں برسوں کا بیمار لگ رہا تھا۔

"علی! ذیشانہ کو فون کیا تھا؟"

"نہیں۔"

"بھابی سے تمہاری لڑائی ہوئی ہے؟"

"نہیں۔"

"تکیے کے نیچے تصویریں تم نے رکھی تھیں؟"

"نہیں۔" علی خالی خالی نظروں سے چھت کو تکے جا رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے کہ ہر بات کا جواب نفی میں دے رہے ہو۔ آخر ڈپریشن کی کوئی تو وجہ ہوگی۔" عارف وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا مگر وہاں ہنوز خاموشی کا راج تھا۔

"پلیز علی، بتاؤ کیا بات ہے۔ ایسی کیا پریشانی ہے جو تم جیسے مضبوط اعصاب کا مالک یوں ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھا ہے؟"

"بس کچھ بزنس پرابلم ہیں۔" علی نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ تو ایک بہانہ ہے اصل معاملہ کچھ اور ہے۔ وہ اس وقت خاموش ہوگیا۔

ذیشانہ اپنے کمرے میں بیٹھی کب سے علی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ "میرے مالک اسے کچھ نہ ہو، بلکہ میری زندگی بھی اسے لگ جائے۔" اس نے بے اختیار دعا مانگی۔ دل اس کی بیماری کا سن کر تڑپ اٹھا تھا۔ غیر ارادی طور پر وہ فلک کے گھر کا نمبر ملانے لگی مگر یہ سوچ کر کہ آخر فلک کیا سوچے گی، فون سے ہٹ آئی۔ پھر وہ اپنی وارڈ روب کی طرف بڑھی، علی کے کارڈ کا خیال آیا تو اپنے بلیک پرس کی تیسری پاکٹ کھول کر کارڈ نکالا اور اس کا موبائل نمبر پش کرنے لگی، مگر موبائل آف تھا۔ اس نے بے دلی سے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔ "آخر میں کس طرح اس کی خیریت معلوم کروں؟ اسے ایسا کون سا شاک پہنچا ہے جس نے اس کی یہ حالت کردی ہے؟" سوچتے سوچتے دماغ ماؤف ہونے لگا۔

بظاہر تو وہ ٹھیک ٹھاک ہوگیا مگر اس کے لب مسکرانا بھول گئے۔ بابا، عالیہ پھوپو، سرور انکل، شاہ نیل، باری باری سب لوگ آ کر مل گئے۔ بابا جان نے بیس پچیس بکرے صدقے کرا کے غریبوں میں تقسیم کیے۔ وہ اسے اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر حیدرآباد چلے گئے۔ تین چار روز گزر گئے مگر فلک کالج نہ آئی۔ ذیشانہ کے دماغ میں ہر وقت علی کا خیال رہتا۔ وہ کس سے پوچھتی، آج جب کالج جانے لگی تو راستے میں ڈرائیور سے کہا کہ فلک کے گھر جانا ہے۔ وہ اسے راستہ بتانے لگی۔ گاڑی گیٹ پر رکی تو وہ ڈرائیور کو انتظار کا کہہ کر اندر چلی آئی، سامنے لان میں مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا وہ اس طرف چلی آئی۔ "بابا! فلک گھر پر ہے؟" اس نے مالی کو مخاطب کیا۔

"نہیں جی، فلک بی بی تو شاہ نیل صاحب کے ساتھ ابھی ابھی باہر گئی ہیں۔" وہ ادب سے بولا۔

"کیا گھر پر کوئی نہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے مالی کو دیکھا۔

"نہیں جی، علی صاحب گھر پر ہیں، ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔ بی بی آپ کون ہو؟"

"میں فلک کی دوست ہوں۔ وہ کالج نہیں آ رہی تھی تو اس کا پتہ کرنے چلی آئی۔" ذیشانہ سادگی سے بولی۔

"آؤ بی بی، اندر آپ علی صاحب سے بات کرلو۔ میں ماسی جیراں سے کہہ کر آپ کے لیے چائے بھجواتا ہوں۔" وہ اسے ٹی وی لاؤنج کے سامنے چھوڑ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے گلاس ڈور سے اندر جھانکا، علی کارپٹ پر فلور کشن کے سہارے نیم دراز آنکھیں موندے پاؤں ہلا رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا۔ علی کی طرف دیکھا وہ کملایا ہوا برسوں کا بیمار نظر آ رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر گہرے دکھ نے اسے گھیر لیا۔

"السلام علیکم۔" ذیشانہ نے ہمت کر کے سلام کیا۔ اس کی آواز پر وہ یوں اٹھا، جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"تم یہاں؟" علی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی۔ وہ...... میں۔ فلک کا پتہ کرنے آئی تھی۔ وہ کالج کیوں نہیں آ رہی؟" اسے اور کوئی بات سمجھ نہ آئی تو جلدی سے وضاحت پیش کردی۔

"فلک اس وقت باہر گئی ہے، آپ تشریف لے جائیں۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"اصل میں، میں آپ کو دیکھنے آئی تھی۔" ذیشانہ اپنی چادر سر پر جماتے ہوئے بولی۔

"کیوں، مجھے کیا ہوا۔ زندہ سلامت ہوں۔" وہ صوفے پر جا بیٹھا۔

"آئی ایم ویری سوری، میں اپنے رویہ پر بہت شرمندہ ہوں۔" وہ اپنے ہاتھ مسلتی سر جھکائے کھڑی تھی۔

"مس حسن! میں نے کہا نا کہ فلک اس وقت گھر پر نہیں

اور میرے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ ہر کسی کی فضول باتیں سنتا رہوں۔" علی تو سرے سے بپھرا ہوا تھا۔

"پلیز علی! اگر میری باتیں آپ کی اس حالت کا سبب ہیں تو میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی چاہتی ہوں۔" ذیشانہ منت پر اتر آئی۔

"مس ذیشانہ حسن! آپ کسی خوش فہمی میں ہیں کہ میں آپ کی باتوں سے ہرٹ ہوا ہوں۔ شاہ زر علی خان اتنا بزدل نہیں ہے کہ ایک بالشت بھر کی لڑکی کی بے سروپا باتوں کو اپنی جان کا روگ بنا لے اگر آپ یہ سوچ کر آئی ہیں کہ آگ لگا کر جلنے کا تماشا دیکھیں گی تو میرے خیال میں اب تک آپ احمقوں کی جنت میں رہتی آئی ہیں۔ جب اصل معاملے سے ہی آپ ناواقف ہیں تو پھر یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟ انسان کے ساتھ سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں' پرسنل بزنس ٹینشن کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔" میری باتوں سے ہرٹ ہوئے ہیں تو معافی چاہتی ہوں' یہ دوغلا پن۔" وہ اونچی اونچی آواز میں بول رہا تھا۔

ماسی جیراں اسی وقت چائے لے کر ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"ارے بی بی آپ ادھر کیوں کھڑی ہیں؟ آرام سے بیٹھ کر چائے پئیں۔ فلک بی بی ابھی آ جائیں گی۔" ماسی نے حیرت سے ذیشانہ کی طرف دیکھا' جواب تک دروازے کے قریب کھڑی تھی۔

"ماسی! تم جاؤ۔" علی نے اسے باہر جانے کا حکم دیا۔ ذیشانہ جو اس بندے کی محبت میں ادھر تک آ گئی تھی' بس ساکت نظروں سے علی کو تکے جا رہی تھی۔

"مس! آپ کون سی زبان سمجھتی ہیں؟" علی قہر آلودہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کی آواز پر وہ جیسے ہوش کی دنیا میں آئی۔ اف میرے خدا' اتنی ذلت' اتنی توہین' کیا میں یہ سب سننے کے لیے ادھر آئی ہوں۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کرتی الٹے قدموں باہر کی طرف بھاگی۔ علی نے جلتی نظروں سے جاتی ہوئی ذیشانہ کو دیکھا جب ایک دوسرے سے ملنا ناممکن ہے تو میرے مالک کیوں بار بار سامنا کرا دیتا ہے۔

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو سارا جہان گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ یوں رو رہی تھی جیسے ابھی ابھی اپنی کسی عزیز جان ہستی کو کھو آئی ہو۔ ڈرائیور بے چارہ الگ پریشان سا گاڑی چلا رہا تھا' کہاں کا کالج' کہاں کی پڑھائی' اس نے ڈرائیور کو گھر چلنے کو کہا' وہ گھر آ کر جی بھر کر رونا چاہتی تھی تاکہ اپنے دل کی بربادی کا ماتم کر سکے۔

☆☆

علی اب باقاعدگی سے آفس جانے لگا۔ عارف بھی اکثر آ جاتا' وہ اسے بہلانے کی کوشش کرتا مگر علی تو بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اداس اجڑا ہوا' ہر وقت کھویا کھویا رہتا۔ آج وہ آفس آیا تو عارف پھٹ پڑا۔

"یار علی! تو پہلے کی طرح ہو جا ورنہ تیرا حشر کر دوں گا۔ میں تیری محبت میں دوڑا آتا ہوں مگر لارڈ صاحب کو پروا ہی نہیں ہے۔ میں تجھے آخری بار کہہ رہا ہوں' انسان بن جا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" علی نے بس خاموش نظروں سے عارف کو دیکھا وہ اس کی نظروں کی ویرانی سے کانپ کر رہ گیا اور چپ چاپ آفس سے چلا آیا۔ گھر آ کر علی کے کمرے سے ذیشانہ کے گھر کا نمبر دیکھ کر اس کے گھر کے نمبر پش کرنے لگا۔ فون ذیشانہ نے ریسیو کیا۔

"ہیلو ذیشانہ' میں عارف بات کر رہا ہوں۔"

"جی عارف بھائی' کیا حال ہے؟"

"جی بالکل ٹھیک' آپ سنائیں کیسی ہیں؟" وہ بڑی شفقت سے اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

"بس جی رہی ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"آپ بتائیں' کیسے یاد کیا؟"

"اصل میں' میں علی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمائیے' میں سن رہی ہوں۔" ذیشانہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

"آپ کو تو پتہ ہے نہ کہ علی کو نئی زندگی ملی ہے۔"

"جی' شیروان بھائی نے ذکر کیا تھا۔" وہ بہت آہستہ سے بولی۔

"ذیشانہ پلیز' سچ سچ بتائیں۔ اس دن فون پر علی اور آپ کی لڑائی ہوئی تھی؟"

"عارف بھائی! یہ بات آپ نے اپنے دوست سے نہیں پوچھی۔" ذیشانہ حیرت سے بولی۔

"اس نالائق سے تو ہزار دفعہ پوچھ چکا ہوں مگر وہاں نہ ختم ہونے والی چپ ہے۔ سچی بھابھی اگر آپ اس بندے کو دیکھیں تو حیران رہ جائیں' کھانا پینا' ہنسنا' بولنا' سب کچھ تو وہ اپنے آپ پر حرام کر چکا ہے۔"

"مگر کیوں؟" ذیشانہ کی آواز میں حیرانی تھی۔

"اگر یہ معلوم ہوتا تو پھر آپ سے وجہ کیوں پوچھتا۔ مجھ

Scanned with CamScanner

سے اپنے دوست کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔'' عارف افسردگی سے بولا۔ عارف کی بات پر ذیشانہ کا دل ڈوب گیا۔

''ذیشانہ! اگر آپ کی اجازت ہو تو ایک پرسنل سوال کرسکتا ہوں۔''

''عارف بھائی پلیز' کھل کر بات کریں۔ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کے لیے آپ اجازت مانگ رہے ہیں۔ ویسے اس دن علی نے فون کیا تھا اور ہمارا بہت جھگڑا ہوا تھا۔'' پھر ذیشانہ نے تمام بات عارف کو بتادی۔ ''میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ علی کسی کو پسند کرتے ہیں' مگر میں پھر بھی سوری کرنے ان کے گھر گئی' عارف بھائی! آپ سوچ نہیں سکتے کہ کس طرح انہوں نے میری انسلٹ کرکے مجھے گھر سے نکالا ہے۔''

ذیشانہ کے رونے سے وہ بہت پریشان ہوگیا۔

''پلیز بھابھی!' آپ روئیں مت۔ سب ٹھیک ہوجائے گا' علی کی تو میں شورٹی دے سکتا ہوں کہ اس کی کوئی پسند نہیں' بس اس نے آپ سے مذاق کیا ہے' آپ بتائیں کہ آپ علی کے علاوہ کسی میں انٹرسٹڈ تو نہیں؟'' عارف نے ڈرتے ڈرتے ذیشانہ سے سوال کیا۔

''نہیں عارف بھائی' ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں۔''

''تھینکس ذیشانہ' اس خبیث کی تو وہ ٹھکائی کروں گا کہ محترم کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ بڑی غربت برتنے لگا ہے' اصل واقعہ کی تو مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ خواہ مخواہ اپنا دماغ خراب کرتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں' بس آپ سے آخری ریکوئسٹ ہے کہ اگر علی آپ کو فون کرے یا ملنے کو کہے تو پلیز انکار مت کیجئے گا اور لڑائی بالکل بند' اچھا اللہ حافظ۔'' عارف نے یہ کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔

عارف تیسرے دن پھر اس کے آفس حاضر تھا۔

کیا کھاؤ گے؟'' علی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہارا سر۔'' عارف جل کر بولا۔ علی بس ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔

''علی! یار تمہارے نکاح کو چھٹا مہینہ لگ گیا۔ کب رخصتی کروا رہے ہو؟'' عارف کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھی۔

''تمہیں کس بات کی جلدی ہے؟'' علی کا چہرہ غصے سے تپ گیا۔

''کمال کرتے ہو' ماموں کا کہنا ہے کہ پہلا نمبر علی کا ہے' پھر اس غریب مسکین کی باری آئے گی۔''

''اگر تمہیں جلدی ہے تو لگوالو اپنا نمبر' میری فکر کرنے کی کسی کو ضرورت نہیں۔'' علی نے فائل کھولی۔

''ابے گھامڑ! میری بات مان' فائدے میں رہے گا۔ بھابھی کو اپنا ہمراز بنالے' سب کام آسان ہوجائے گا۔''

اگر اب تم نے اس کا نام بھی لیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میں اتنا کمزور اور بے غیرت نہیں کہ ایک کمزور سی لڑکی کو سیڑھی بنا کر اُن لوگوں تک پہنچوں۔'' علی جوش سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں' ہاں' تو تو بڑا غیرت والا ہے۔ شرم کرو شرم' اگر اتنا طاقت ور تھا تو سیدھا آغا جان کے پاس چلا جاتا۔ اس طرح چوری چھپے نکاح نہ کرتا۔ تمہیں تو یہ ڈر تھا کہ اُدھر سے انکار نہ ہوجائے' اب بھی تمہارے دل میں چور ہے کہ اگر اُدھر سے کوئی ایسی ویسی بات ہوجائے تو' تو بھابھی کے ذریعے اُن لوگوں کو بلیک میل کرسکے۔ اب پتہ چلا ہے کہ محبت وحبت تو ایک ڈرامہ تھا۔ اصل انتقام تو تم آغا جان سے لے رہے ہو مگر اس سارے قصے میں ذیشانہ کا تو کوئی قصور نہیں۔ پتہ نہیں' وہ اچھی لڑکی کس طرح تمہارے بدصورت رویے برداشت کرجاتی ہے۔''

عارف تو بھرا بیٹھا تھا' ایک ہی سانس میں پھٹ پڑا۔

''تمہیں اس کی ہمدردی کا بخار کیوں چڑھا ہے۔ کہیں وہ تمہیں تو گھاس نہیں ڈالنے لگی۔ ویسے بھی ایسی فلرٹ لڑکیوں کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔'' علی کی بات عارف کے دل پر ایک گولی کی طرح لگی۔

''کاش اتنی گری ہوئی بات کرنے سے پہلے تو سوچ لیتا کہ کس کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ اپنی عزت کے بارے میں اتنی گھٹیا سوچ' قسم اللہ پاک کی' مشعل اور ذیشانہ میں مجھے کوئی فرق نہیں لگتا' اس وقت تمہاری عقل پر بدگمانی کے پردے پڑے ہیں مگر جس دن یہ پردے ہٹیں گے تو اس وقت بڑی دیر ہوچکی ہوگی اور مسٹر شاہ زر علی خان صاحب! اس وقت ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہ کرسکیں گے اور خان صاحب دوستی کے عظیم رشتے پر جو داغ آج آپ نے لگایا ہے' وہ کبھی نہیں دھل سکتا۔ آج سے آپ جیسے پارسا اور مجھ جیسے کم ظرف کی دوستی کا باب تمام ہوا۔ اللہ حافظ۔'' دکھ کی شدت سے عارف کی آواز بھرا گئی۔ وہ اپنی آنکھیں مسلتا دروازے کی طرف بڑھا۔ علی بات کرکے پچھتا رہا تھا۔ وہ تیزی سے عارف کی طرف بڑھا اور اسے دروازے سے زبردستی پکڑ کر لے آیا۔

''آئی ایم ویری سوری یار' پتہ نہیں غصے میں' میں کیا بکواس کرگیا۔'' علی دونوں ہاتھ باندھے عارف کے سامنے کھڑا تھا۔

Scanned with CamScanner

''بات مت کرو مجھ سے' آج تم نے اپنی اصلیت دکھادی۔'' عارف تو کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔

''پلیز عارف' مجھے معاف کردو۔ دیکھو مجھ سے خفا ہو کر مت جاؤ۔ آہستہ آہستہ میرے سب اپنے مجھ سے بچھڑ گئے' ایک تو ہی تو ہے جس کو میں اپنی ہر بات بتاتا ہوں' تمہیں اپنی عزیز از جان ہستی کی قسم' مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔'' علی غم کی شدت سے رو پڑا۔

''خبیث! قسم بھی دی تو اپنی بھلا۔ عارف خفا ہو سکتا ہے تم سے۔'' اس نے اپنی آنکھوں کے بھیگے کنارے ٹشو سے صاف کیے اور آگے بڑھ کر علی کو گلے لگالیا۔

''یار عارف' جس دن میں بیمار ہوا تھا اس رات ذیشانہ کی اور میری لڑائی ہوگئی' یار جسے میں دل کی تمام تر شدتوں سے چاہتا ہوں۔ وہی میرے جذبوں سے بالکل انجان ہے۔ ویسے دل پر تو کسی کا زور نہیں' اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو میں اس کی راہ سے ہٹ جاؤں گا۔'' علی اس وقت اس بھٹکے ہوئے مسافر کی مانند لگ رہا تھا جو اپنی تمام کشتیاں انجانے میں جلا بیٹھا ہو۔

''علی تجھے میرے خیال میں غلط فہمی ہوئی ہے' تو ایک بار بھابھی سے مل لے میرے خیال میں تم دونوں کے حق میں یہ بہتر ہوگا۔ مجھے اس وقت اجازت' میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' عارف اس کے شانے تھپتھپاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار' ناراض ہو کر تو نہیں جارہا۔'' علی اب بھی شرمندہ تھا۔

''نہیں یار' اللہ حافظ۔'' عارف اس سے ہاتھ ملاتا ہوا چلا گیا۔

☆☆

آج فلک کالج نہیں آئی تھی۔ ذیشانہ بہت بور ہو رہی تھی۔ ویسے بھی دو پریڈ فری تھے۔ وہ اپنی کتابیں لے کر باہر دھوپ میں چلی آئی تاکہ ریلیکس ہو کر پڑھ سکے۔ پرس میں پڑا موبائل اچانک چیخ اٹھا۔

''ہیلو۔''

''ذیشانہ حسن! میں باہر گیٹ پر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں' جلدی باہر آؤ۔'' علی نے فون پر حکم صادر کیا۔

''میں' مگر کیوں؟'' وہ پزل ہوگئی۔

''جو کہا ہے' وہ کرو ورنہ اندر آکر زبردستی بھی کر سکتا ہوں۔''

وہ حیران و پریشان اپنی چادر ٹھیک کرتی باہر چلی آئی۔ وہ اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولے اس کا منتظر تھا۔ وہ سہمی ہوئی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ گھبراہٹ اور ڈر کی وجہ سے وہ سوکھے پتے کی مانند لرز رہی تھی۔ یہ جو شخص اس کے قریب بیٹھا تھا اس کا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ایک نظر خاموشی سے ڈرائیو کرتے علی پر ڈالی وہ کافی دبلا ہو گیا تھا اور شیو بھی بڑھی ہوئی تھی اس کی خاموشی سے اسے بہت ڈر محسوس ہو رہا تھا۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' ذیشانہ نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بات کرنے کی ہمت کی۔

''ٹھیک ہوں۔'' جواب مختصر تھا۔ علی نے اپنے آفس کے سامنے گاڑی روکی اور چپ چاپ اندر چلا گیا۔ وہ پریشان سی صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

علی اپنے آفس سے باہر آتا نظر آیا۔

''اپنے گھر فون کرو' جہاں کا بہانا کرنا ہو کردو۔ ہم اس وقت حیدرآباد چل رہے ہیں۔'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی اس نے شاہی حکم صادر کیا۔

''مگر کیوں؟'' ذیشانہ کے اوسان خطا ہو گئے۔

''جو کہا ہے کرو۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''ہیلو جی آغا جان! میں ذیشانہ بات کر رہی ہوں۔ فلک کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔ میں اس کے ساتھ اس کے گھر جارہی ہوں۔ آپ لوگ فکر نہ کرنا۔'' اس نے موبائل پر گھر بات کی اور پھر موبائل آف کر کے پرس میں رکھ لیا۔ علی نے سن گلاسز لگائے اور گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

''علی! کیا آپ اب تک ناراض ہیں؟'' ذیشانہ بڑی معصومیت سے بولی۔

''میرا نام شاہ زر علی خان ہے اور میں کسی غیر کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے اس نام سے پکارے جو صرف میرے اپنوں کے لیے ہے۔'' اس کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔ وہ چپ ہوگئی۔ اتنی سردی میں بھی ماتھا بار بار پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ اس نے سوکھے لبوں پر زبان پھیری یوں لگ رہا تھا' جیسے میلوں کا سفر پیدل طے کر کے آئی ہو' گلے میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ علی نے ایک نظر ذیشانہ پر ڈالی اور آئس کریم بار کے سامنے گاڑی روک دی اور جا کر آئس کریم لے آیا۔ خاموشی سے ایک کپ اس کی طرف بڑھایا اور اپنا کپ لے کر دوسری طرف سے گاڑی میں آبیٹھا۔ خاطریں تو یوں کر رہے ہیں جیسے میرا بڑا خیال ہو' علی کی طرف دیکھتی وہ دل ہی دل میں اپنے آپ سے مخاطب بھی۔ اگر عارف کی

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

ہدایت کا خیال نہ ہوتا تو ضرور کچھ نہ کچھ اس بندے سے کہہ چکی ہوتی۔ راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا اور اس منزل کے راہی دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ ایک کو اپنی منزل کھو جانے کا ملال تھا کہ منزل ملی بھی تو ایک بند گلی کی صورت میں، اگر اس میں رہتا ہے تو دم گھٹ جانے سے مر جائے گا۔ اگر پیچھے کی طرف پلٹتا ہے تو پتھر کا بن جائے گا۔ جب کہ دوسری طرف نہ سمجھ میں آنے والی صورت حال ہے۔

''پلیز علی صاحب! یہ سب کیا ہے اگر یوں ہی خاموش رہنا ہے تو اس طرح لے جانے سے فائدہ۔'' ذیشانہ کا صبر آخر جواب دے گیا۔

''ٹھیک ہے اگر نہیں جانا تو شوق سے اتر جائیں روکا کس نے ہے۔'' لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ ذیشانہ نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک ریت کے ٹیلے تھے۔ اس وقت یہ لوگ ایک غیر آباد علاقے سے گزر رہے تھے۔ اس نے آرام سے گاڑی روک دی تھی اور اب ذیشانہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ علی کی حرکت پر اس کے نین کنول لبالب پانیوں سے بھر گئے۔ کوشش تو بہت کی کہ اس کٹھور انسان کے آگے نہ روئے مگر بے بسی کے احساس سے شدت سے رو دی اور اپنا چہرہ چادر میں ڈھانپ لیا مگر ادھر کچھ اثر نہ تھا اور خاموشی سے گاڑی ڈرائیو ہو رہی تھی۔ بہت سا سفر یوں ہی کٹ گیا ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔

''ذیشانہ حسن! ٹھیک ہو کر بیٹھیں، ہمارا گوٹھ آنے والا ہے۔'' علی کی گمبھیر آواز پر ذیشانہ نے اپنا چہرہ اوپر کیا۔ وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ذیشانہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔ چہرہ دھل کر چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ علی نظریں چرا گیا۔ گاڑی اس وقت گھنے جنگلوں سے گزر رہی تھی، دن میں بھی شام کا سماں لگ رہا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ مس حسن، شاید یہ ہماری آخری ملاقات ہو، اس لیے آپ کو ادھر لایا ہوں۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر ایک لحظہ کے لیے رکا۔ ''میں نے آپ کو دل کی تمام تر سچائیوں سے اپنایا تھا اور دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں، باقی زبردستی کا میں قائل نہیں، اگر آپ کی کسی کے ساتھ کمٹمنٹ ہے یا کوئی آپ کا آئیڈیل ہے تو میں آپ کے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔ آپ کے ساتھ گوٹھ اس لیے جا رہا ہوں کہ اس جگہ جانے کی میری آرزو تھی۔ بس میں وقت کا انتظار کر رہا تھا مگر لگتا ہے یہ وقت کبھی نہیں آئے گا، بس آخری بار آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کی جسارت کی ہے، جس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔'' علی کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ اس کے اندر کے کرب کی غماز تھی۔ ذیشانہ نے پریشانی سے ہر پل بدلتے اس شخص کی طرف دیکھا جو یوں بیٹھا تھا، جیسے اپنی زندگی کی بازی ہار گیا ہو۔

''مسٹر شاہ زر علی خان! یہ کیسی عزت اور کیسا احترام ہے، جس نے ہر جگہ، ہر مقام پر مجھے ذلیل کیا ہے اگر آپ مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو پلیز خود کو اتنا مظلوم ظاہر کر کے اپنی دل کی خوشی کو مظلومیت کے پردے میں نہ چھپائیں۔'' ذیشانہ کا لہجہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ ''مجھے تو اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ملتے بس میں تو اتنا کہہ سکتی ہوں۔''

علی تو اس کی مدھر آواز میں کھو گیا جو کہہ رہی تھی۔

تم نے راہ الفت میں قدم پہلے بڑھایا تھا
اور اب ترک تعلق کے اشارے بھی تمہارے ہیں
شفا دیتا ہے زخموں کو تمہارا مرہمی لہجہ
جو دل پر چلتے ہیں وہ آرے بھی تمہارے ہیں

علی نے بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ جگر جگر کرتی آنکھیں دل کے پار ہو گئیں۔

''مس ذیشانہ حسن! یہ تو آج پتا چلا ہے کہ آپ ذوق شاعری بھی رکھتی ہیں، کیا یہ ناچیز بندہ ایک اور شعر کی فرمائش کر سکتا ہے وہ اپنے پرانے موڈ میں واپس آ رہا تھا۔'' جناب ہم ہمہ تن گوش ہیں۔'' علی نے گاڑی روک دی۔ ذیشانہ تو پزل ہو گئی۔

پاؤں پھیلائے تو پھر دیکھی نہ چادر ہم نے
تجھ کو چاہا تو اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان بھی ہو سکتی تھی
تیری چاہت کو ہر ایک بات سے بڑھ کر چاہا

شعر مکمل کر کے اس نے ٹشو سے اپنے ماتھے کا پسینہ صاف کیا۔

''ارے واہ مسز، آپ نے تو کمال کر دیا، نظروں کے تیر سے تو ہم پہلے گھائل تھے اب لفظوں کے تیر کہیں ہماری جان ہی نہ لے لیں۔'' علی کا شوخ قہقہہ گھنے جنگل میں کہیں کھو گیا۔

''ذیشی آئی ایم ویری سوری۔ میں اپنے تمام پرانے رویوں پر بہت نادم ہوں اور ہاتھ جوڑ کر معافی کا طلب گار ہوں۔ میں جان کر ایسا نہیں کرتا مگر پھر بھی پتا نہیں ہمیشہ غلط ہو جاتا ہے۔ تمہاری نفرت سے بھری آواز آئی ہیٹ یو مسٹر علی، میرے دماغ میں ایک خنجر کی طرح لگی اور مجھے پاگل کر دیا کہ تم

Scanned with CamScanner

مجھ سے نفرت کرتی ہو' دل تو بہت کر رہا ہے کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں' مگر اس کا وقت نہیں آیا۔'' علی کے چہرے پر دکھ اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''پتا نہیں' آپ اتنے پراسرار کیوں ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے آپ سے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔'' ذیشانہ اب الجھی ہوئی تھی۔

''ذیشی پلیز' بتا دو معاف تو کر دیا ہے نا؟'' علی کی بات پر اس نے معصومیت سے سر ہلا دیا۔ علی اس کی اس ادا پر نثار ہو گیا۔ باقی کا راستہ علی کی شوخ چھیڑ چھاڑ میں گزرا۔

''مسز! تیار رہیں' ابھی آپ کے گوٹھ کے لوگ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گے۔'' علی نے اسے انفارم کیا۔

''کیا مطلب؟ وہ سب جانتے ہیں؟'' ذیشانہ کے بے ساختہ جملے پر علی کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''تم تو بس پگلی ہو۔'' علی نے پیار سے اسے دیکھا' چاروں طرف لہلہاتے کھیت تھے' ایک لائن میں ریسٹ ہاؤس بنائے گئے تھے۔ سامنے اس کے بابا جان کا ڈیرہ تھا۔ بائیں طرف ایک وائٹ ماربل کا چھوٹا سا بنگلہ تھا۔ علی اسے اپنے ساتھ لیے اس بنگلے میں چلا آیا۔ دونوں ایک ساتھ نفاست سے سجے بیڈروم میں داخل ہوئے۔

''ذیشی پلیز ریلیکس ہو کر بیٹھو۔'' علی اپنے بیگ کی زپ کھولتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔ ذیشانہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے خوب صورت شخص پر ڈالی۔ اس کا دل فخر محسوس کر رہا تھا کہ اتنا شاندار بندہ اس کی ملکیت ہے۔

''ذیشی' یہ لو پلیز' جلدی سے باتھ لے کر فریش ہو جاؤ۔ پھر تمہیں اپنے گوٹھ کی سیر کراتا ہوں۔'' پیرٹ گرین سندھی کڑھت والا خوب صورت جارجٹ کا سوٹ علی نے اس کی طرف بڑھایا۔

''مگر یہ کپڑے؟'' وہ لینے سے ہچکچا رہی تھی۔

''کسی کی اترن نہیں ہیں۔ بالکل نئے ہیں۔'' وہ کپڑے اس کے ہاتھ میں تھماتا اپنے کپڑے لے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

پورا دن دونوں نے خوب انجوائے کیا۔

''علی! کیا آپ کے بابا ادھر اپنی زمینوں پر نہیں ہوتے؟''

''کبھی ادھر بھی چکر لگا لیتے ہیں مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' علی نے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔ ''یار مسز بڑا دل کر رہا ہے تمہیں اپنے ساتھ گھر لے چلوں مگر بابا کے ڈنڈے بہت ڈراتے ہیں۔'' اس نے شرارت سے ذیشانہ کی طرف دیکھا۔

''مگر انکل تو بہت نائس ہیں۔'' ذیشانہ کی نظروں میں احمد یار علی خان کا شفیق چہرہ گھوم گیا۔

''جی جناب آخر والد کس کے ہیں۔'' علی نے فرضی کالر جھاڑے۔

شام سات بجے وہ لوگ گوٹھ سے واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ علی بہت سلو ڈرائیو کر رہا تھا۔

''مسز! بس دل یوں کہہ رہا ہے کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو اور یہ خوبصورت لمحے امر ہو جائیں۔'' وہ بڑی ترنگ میں تھا جب کہ ذیشانہ جھینپی ہوئی لگ رہی تھی۔ اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

''پلیز علی! جلدی چلائیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

☆☆

''سمیرا بیٹی ذیشانہ کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔ تم موبائل پر اس سے رابطہ کرو۔'' آغا جان پریشانی سے بولے۔

''جی آغا جان کوشش تو کی ہے مگر رابطہ نہیں ہو رہا۔'' سمیرا بیگم خود پریشان لگ رہی تھیں۔

''تم کم از کم فلک کا نمبر لے لیتیں۔ ذیشانہ سے اتنی دیر ہو گئی ابھی تک وہ نہیں آئی آخر ہم کہاں پتا کریں۔ پتا نہیں تم کیسی ماں ہو اپنی بیٹی کی ایکٹویٹیز کا بھی پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں اور کس کے گھر جاتی ہے۔'' حسن علی خان بہت غصے میں تھے۔

''حسن! فکر نہ کرو وہ خیریت سے ہو گی۔'' بی بی جان نے انہیں تسلی دی۔

گاڑی اس وقت گھنے جنگلوں سے گزر رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں گاڑی کی آواز کے علاوہ کبھی کبھی جنگلی جانور کی آواز سنائی دیتی ذیشانہ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔ ڈر کے مارے اس کا برا حال تھا۔

''پلیز گاڑی تیز چلائیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے جوں ہی سر اٹھایا سامنے نقاب پوش ڈاکوؤں کا گروہ نظر آیا۔ خوف کے مارے وہ چیخ اٹھی۔ علی نے بڑھ کر اسے تھاما۔

''بات سنو شہزادے' اگر اپنی اور اپنی اس سہمی چڑیا کی زندگی چاہتے ہو تو گاڑی چپ چاپ ہمارے حوالے کر دو ورنہ ادھر گولیوں کی کمی نہیں ہے۔'' ڈاکوؤں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جو بات کرنے کے لیے آگے بڑھ آیا تھا وہ ان کا لیڈر تھا۔

''علی پلیز' خدا کے لیے گاڑی آپ ان کے حوالے کر دیں۔'' ذیشانہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی جب کہ علی

Scanned with CamScanner

اسے اپنی مضبوط پناہوں میں لیے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔
"اے لیلیٰ مجنوں کی اولاد ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے جلدی کرو اگر تڑی لگانے کی کوشش کی تو دونوں کو اگلے جہان کی سیر کرادیں گے۔" وہی آدمی پھر زور سے چیخا۔ ذیشانہ نے علی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور گاڑی سے باہر چھلانگ لگادی۔ علی تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں جب کہ ذیشانہ اچھلتی ہوئی زمین پر تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے نکلا اور ذیشانہ کی طرف بھاگا جو بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔
"ذیشانہ پلیز ہوش کرو مجھے کچھ نہیں ہوا تم بھی ٹھیک ہو۔ ذیشی پلیز۔" وہ مسلسل اسے آوازیں دے رہا تھا۔ علی اسے بازوؤں میں لیے کبھی چہرہ تھپتھپاتا کبھی پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا' وہ اتنا پریشان تھا کہ گاری اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ ذیشانہ کافی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تو علی کی جان میں جان آئی۔ اب وہ مسلسل روئے جارہی تھی۔ خوف کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں درخت سے چاندنی چھن چھن کر آرہی تھی۔
"ذیشانہ! تمہارا موبائل۔" علی پریشانی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی پریشانی میں اضافہ ہورہا تھا۔ اس کا اپنا موبائل گاڑی میں رہ گیا تھا۔
"وہ تو میرے پرس میں تھا۔" علی نے ایک نظر سر جھکائے بیٹھی ذیشانہ پر ڈالی اور پرس کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں کچھ ہی فاصلے پر پڑا پرس نظر آیا تو جان میں جان آئی۔ علی نے فون کرکے جیپ منگوائی۔ ذیشانہ تو اس عرصے میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس جنگل میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ کوئی خونخوار جانور یا ڈاکوؤں کا دوسرا گروہ۔ سوچ سوچ کر اس کے اوسان خطا ہورہے تھے۔ وہ بار بار علی کی طرف دیکھتی جو اسے یوں چھپائے بیٹھا تھا جیسے کوئی انمول خزانہ ہو۔
"مسز! کیا خوب صورت سچویشن ہے۔ تم اور میں دور دور تک کسی ظالم سماج کا نام ونشان نہیں۔" اس نے شرارت سے ذیشانہ کی لٹ پکڑ کر اس کے کانوں کے پیچھے اڑسی۔ وہ جان بوجھ کر ایسا کررہا تھا کہ ذیشانہ اس خوف کی کیفیت سے نکلے مگر وہاں کسی جذبے یا شرارت کا کچھ اثر نہ تھا۔ ایک گھنٹہ ان لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔ پریشان تو علی بھی بہت تھا مگر ذیشانہ کی خاطر اپنے آپ کو فریش پوز کررہا تھا۔ جیپ کے آتے ہی علی ذیشانہ کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ اپنے نوکروں کو جو اس کی ہدایت پر دوسری گاڑی ساتھ لائے تھے واپس جانے کو کہا اور اپنی گاڑی تیزی سے لے اڑا۔
کراچی میں داخل ہوتے ہی علی کا کافی پینے کا موڈ بن گیا۔ گرم گرم کافی پینے سے ذیشانہ کا پریشان ذہن کافی حد تک پرسکون ہوگیا۔ دونوں واپس آکر گاڑی میں بیٹھے تو علی مکمل طور پر اپنے آپ کو فریش محسوس کررہا تھا۔ ذیشانہ بھی بہتر فیل کررہی تھی۔
"ذیشی یار اگر اجازت ہو تو میں آپ کے موبائل سے عارف سے بات کرلوں۔" علی نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔
"پلیز علی! بہت دیر ہوگئی ہے' آپ جلدی کریں۔" اسے جلدی گھر پہنچنے کی فکر تھی۔
"ہیلو عارف میں علی بات کررہا ہوں۔" علی کی بشاش آواز عارف کو جلا گئی۔
"ابے الو! اس وقت کیوں جاگ رہا ہے۔ خوامخواہ دوسروں کا سکون بھی تباہ کردیا۔ کیا تک تھی اس وقت فون کرنے کی۔ کون سا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے جو فون پر بھی تیری بتیسی صاف نظر آرہی ہے۔"
"الو ہوگا تو خود زیادہ بکواس نہ کر' تیرا شکریہ ادا کرنے کے لیے کرائے کا فون لیا ہے۔" اس نے شوخ نظروں سے ذیشانہ کی طرف دیکھا جو اپنی چادر کا کونہ انگلیوں پر لپیٹے جھینپی جھینپی بہت سندر لگ رہی تھی۔
"کیوں' کل سورج کی چھٹی ہے یا دن نکلنے پر پابندی عائد ہورہی ہے؟ آدھی رات کو نیند خراب کرنے کو تجھے میں ملا ہوں۔"
"آدھی رات کے بچے! میری بات سن' نمبر ایک ابھی آدھی رات نہیں ہوئی' نمبر دو میں اس وقت سفر میں ہوں' نمبر تین مسز بھی ساتھ ہیں یار کچھ تو عزت سے نواز دے' چوتھا...." اس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"اس وقت بھابھی تمہارے ساتھ؟ میرے یار خواب میں تو نہیں ہو۔" عارف حیرانی سے بولا۔
عارف کی بات پر علی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"ہم کراچی کی حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔ مسز کی اور میری صلح ہوگئی ہے' جس کے لیے میں دل کی گہرائیوں سے تمہارا شکر گزار ہوں۔ ذیشی کو حیدرآباد لے کر گیا تھا۔ زندگی کی اتنی بڑی خوشی تمہاری بدولت ملی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مخلص دوست خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتے ہیں۔"
ایک نظر سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندی ذیشانہ پر ڈالی۔
"زیادہ فارمل ہونے کی ضرورت نہیں' تو چہکنے کا سبب اب

Scanned with CamScanner

سمجھ میں آیا۔" عارف نے سکون کا سانس لیا۔
"عارف یار! میری بجیرو واپسی پر ڈاکوؤں نے گن پوائنٹ پر چھین لی۔"
"تم ٹھیک تو ہو نا' ذیشانہ کیسی ہے؟"
"اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ دونوں اے ون ہیں۔ میں تو ان ڈاکوؤں کا بھی شکر گزار ہوں جن کی بدولت مجھے اتنے حسین لمحے میسر آئے۔" علی کی شوخیاں عروج پر تھیں۔ ذیشانہ نے آگے بڑھ کر فون اس سے چھین لیا اور اب کڑے تیوروں سے علی کو گھور رہی تھی۔
"مسز! کمال کرتی ہیں آپ بھی اچھی بھلی عارف سے گپ شپ ہو رہی تھی خوامخواہ رنگ میں بھنگ ڈال دی۔" علی کی بات پر ذیشانہ بلش ہو گئی جب کہ علی بڑے شوق سے اس کا یہ خوب صورت روپ اپنی آنکھوں میں بسا رہا تھا۔
گھر کے گیٹ پر علی نے اسے اتارا بلکہ خود بھی ساتھ اتر آیا' ذیشی! خوب صورت پیرائے میں' اتنے انمول جذبات کے اظہار کا بہت بہت شکریہ' اللہ حافظ اور شب بخیر۔ ٹیک کیئر۔" وہ ہاتھ ہلاتا گاڑی میں جا بیٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نجانے اس شخص کی ذات میں کیا طلسم ہے جو منٹوں میں انسان کو جکڑ لیتا ہے۔ ذیشانہ سوچتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ آئی۔
مما اور بی بی جان ٹہلتی ہوئی برآمدے میں ملیں۔
"ذیشانہ بیٹا! اتنی دیر۔" مما پریشانی سے اس کی طرف بڑھیں۔
"ذیشانہ! تمہاری سہیلی ٹھیک تو ہے نا؟" بی بی جان کو فلک کی طرف سے پریشانی لگی ہوئی تھی۔
"اب کافی بہتر ہے۔" وہ شرمندگی سے نظریں نہ اٹھا سکی۔
"اندر کمرے میں چلو' تمہارا دودھ رکھا ہے۔ چل کر پی لو۔" مما اس کے ساتھ بیڈ روم میں چلی آئی۔
"ذیشانہ! تم تو کالج سے فلک کے گھر گئی تھیں مگر یہ سوٹ؟" سمیرا بیگم نے گہری نظروں سے بیٹی کا جائزہ لیا۔ پتا نہیں مما کے لہجے میں کیا تھا جو ذیشانہ حسن کو پزل کر گیا۔
"مما! فلک نے گفٹ کیا ہے اور اس کا اصرار تھا کہ میں اسے پہن کر دکھاؤں۔" اس نے مشکل سے بات بنائی۔
"آج تمہارے پاپا پریشان ہونے کے ساتھ ناراض بھی ہوئے ہیں۔" مما کی بات پر اس نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ "بیٹا ان کی بات بھی ٹھیک ہے' بے شک وہ لوگ خاندانی ہیں مگر ان کے' ہمارے فیملی مراسم نہیں ہیں۔ فلک ایک دفعہ بھی ہمارے گھر نہیں آئی حالانکہ یہ بات تمہارے باپ کے علم میں نہیں ہے۔ مجھے بھی فلک کے فون نمبر لینے کا خیال نہیں آیا۔ وہ بہت غصے میں تھے' اتنی رات ہو چکی تھی شیروان آیا تو اس نے آ کر انہیں تسلی دی۔ فلک کے باپ کا بتایا کہ وہ آغا جان کو اچھی طرح جانتے ہیں پھر کہیں جا کر ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔" مما نے اسے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔
"ٹھیک ہے مما' میں آئندہ خیال رکھوں گی بلکہ فلک کی آغا جان اور پاپا سے ملاقات کرا دوں گی۔" ذیشانہ نے انہیں تسلی دی۔
مما تو بیڈ روم سے جا چکی تھی مگر اس کا دماغ مختلف سوچوں میں الجھ گیا۔ آخر میرا انجام کیا ہو گا۔ عالیہ پھوپھو کی کہانی ایک بار پھر دہرائی جائے گی کیا' میں اپنوں کے بغیر رہ پاؤں گی' نہیں' دماغ نے اس کی نفی کر دی۔ ذیشانہ حسن' علی کے بغیر جی سکے گی؟ دل کی آواز پر وہ چونک گئی۔
صبح ذیشانہ بہت دیر سے اٹھی۔ ویسے بھی سنڈے تھا کسی نے ڈسٹرب نہ کیا۔ وہ باتھ لے کر آئی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی۔ شیروان چائے کے ساتھ اخبار دیکھتا وہاں موجود تھا۔ مسٹر چھٹی کا دن تم نے سو کر گزار دیا۔ ایک دن تو ہوتا ہے مل بیٹھنے کا۔" شیروان نے آتے ہی شکوہ کیا۔
"ویری سوری بھائی۔" وہ مسکرا دی اور شیروان کے قریب صوفے پر ٹک گئی۔ ماسی فضلاں ناشتے کی ٹرالی لیے لاؤنج میں داخل ہوئی۔ "چلیں جی شروع ہو جائیں۔" اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا۔ ٹرالی اپنے قریب کر لی۔ شیروان کی بات پر وہ ہنس دی۔ "بھائی رات پپا بہت ناراض ہوئے تھے؟" اس نے معصومیت سے شیروان کی طرف دیکھا۔
"ہاں بس تھوڑے ناراض تھے' تم آرام سے ناشتہ کرو۔" شیروان نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ دونوں ناشتہ کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گئے۔
"بھائی آپ صبح سے کیا کر رہے تھے۔" وہ شرارت سے بولی۔
"جناب مابدولت اخبار پڑھتے ہوئے پوری دنیا کی سیر کر رہے تھے۔" شیروان مذاق کے موڈ میں تھا۔
"تو جناب آپ کو مشعل سرمد کی کچھ خبر ملی' اس اخبار سے۔ آخر کو مشہور تاجر کی صاحبزادی ہیں کیا پتا منگنی وغیرہ کی خبر لگی ہو۔" ذیشانہ نے شرارت سے بھائی کو چھیڑا جب سے فلک کی منگنی ہوئی تھی وہ یوں ہی بھائی کو مشعل کا نام لے کر چھیڑتی تھی۔
"ذیشی کی بچی! اچھی بات منہ سے نکالو انشاء اللہ منگنی ہو گی

digestlibrary.com

"مگر اپنے وقت پر۔" شیروان کی بات پر دونوں کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

"ذیشانہ وہ ہیلتھ منسٹر ہیں نا احمد یار علی خان جن کا اسکینڈل بنا تھا' اسد ملک کی بیٹی سے۔"

"کیا ہوا انہیں؟" ذیشانہ نے پریشان ہو کر شیروان کی بات کاٹ دی۔

"ان کو تو کچھ نہیں ہوا' البتہ ان کے بیٹے شاہ زر علی خان کی پجیرو کل رات حیدرآباد سے واپسی پر ڈاکوؤں نے گن پوائنٹ پر چھین لی۔ اخبار لکھتا ہے کہ ان کی عزیزہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ یہ خبر شاہ زر کے والد نے اخبار کو دی ہے۔"

"خبر تھی یا بم بلاسٹ ہوا تھا ذیشانہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے آس پاس دھماکے ہو رہے ہوں۔ نظریں گویا ساکت ہو گئی تھی۔ وہ ایک ٹک شیروان کو تکے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا ذیشانہ؟" شیروان نے زرد پڑتی ذیشانہ کی طرف دیکھا اور فکر مندی سے بولا۔

"کچھ نہیں بھائی' بس چکر آ گیا ہے۔" ذیشانہ نے اپنا چکراتا سر تھاما۔

"ذیشانہ پلیز' آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے میں لے چلوں۔" شیروان اسے اپنے ساتھ لے کر اس کے کمرے میں چلا آیا۔ "ذیشانہ کیا بات ہے' کوئی پرابلم؟" اس نے سوالیہ نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں شیری بھائی' میں ٹھیک ہوں۔" وہ سر جھکا کر بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"تم آرام سے لیٹ جاؤ۔ اپنا ذہن کھلا چھوڑ دو' اگر فلک کی وجہ سے پریشان ہو تو میں اسے فون کر دیتا ہوں۔" شیروان اسے سمجھاتے ہوئے باہر جانے لگا۔

"شیری بھائی! فلک کو فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں اٹھتے ہی اس کی خیریت پوچھ چکی ہوں۔" شیروان نے جاتے ہوئے ایک نظر بہن پر ڈالی اور دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ لاک کیا اور اپنے گھومتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔ اف میرے خدا' یہ کیا سنا ہے میں نے تو شاہ زر علی خان ہی شاہ ہو' گزرے ہوئے تمام واقعات کسی فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ علی کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ تو اسے آغا جان سے اس لیے نفرت ہے کہ انہوں نے تایا ابو کو گھر سے نکال دیا تھا۔ احمد یار علی خان کا اتنے پیار سے ملنا' گھر کے ہر فرد کو پوچھنا تو کیا تایا ابو سب جانتے ہیں؟ علی نے ہمارے بارے میں کہاں سے ساری معلومات حاصل کی ہوں گی۔ نکاح سے پہلے اپنا نام علی احمد بتانا' تایا ابو کا ڈاکٹر خان کے نام سے تعارف کرانا' آخر یہ سب کیا ہے؟ اتنے سارے سوال تھے جو ذیشانہ کے دماغ کو پریشان کر رہے تھے۔ میرے مالک کیا کروں' کیا تمام باتیں شیری بھائی سے شیئر کرلوں؟ نہیں دماغ نے نفی کر دی۔ "مما یا بی بی جان سے بات کروں؟" مگر دل نہ مانا۔ کتنی دیر وہ یوں ہی الجھی رہی مگر دماغ اور دل پرسکون ہو گئے تھے۔ اپنوں سے ملنے کی خوشی' دل کو عجیب سکون بخش رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر وارڈ روب کھولی۔ پرس نکال کر علی کا کارڈ نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری بیل پر ہی اس ستم گر کی آواز سنائی دی۔

"یس' علی اسپیکنگ!" مگر ذیشانہ کی تو آواز نہیں نکل رہی تھی۔ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت نے اسے گنگ کر دیا۔

"ہیلو بھئی کون ہے؟" آواز خاصی بےزار تھی۔

"السلام علیکم' میں ذیشانہ بات کر رہی ہوں۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ارے ذیشی' یہ تم ہو۔" علی کی آواز میں خوشی کا تاثر بھرپور تھا۔

"جی جناب' ہم ہیں مس ذیشانہ حسن خان۔" وہ اترائی۔

"مسز! مجھے یقین کر لینے دو یہ تم ہو نا آج ہمارے نصیب کیسے جاگ اٹھے کہ محترمہ نے ہمیں یاد کر لیا۔"

"اچھا تو مسٹر شاہ زر علی خان' آج بھی آپ لڑنے کے موڈ میں ہیں۔" ذیشانہ جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہی تھی۔

"یار کیا بات کرتی ہو' ادھر تو حال یہ ہے کہ گھر میں فون آئے ان کا خدا کی قدرت ہے کبھی فون کو دیکھتے ہیں کبھی خود کو۔" علی کی بات پر ذیشانہ کا کھنکتا ہوا قہقہہ اس کی روح تک سرشار کر گیا۔

"علی! آپ نے آج کا نیوز پیپر پڑھا۔" ذیشانہ کے سوال پر پہلے تو کچھ حیران ہوا پھر ہنس کر بولا۔

"ہاں خبر لگ گئی اخبار میں' پوسٹر چھپ گیا بازار میں کہ آپ شاہ زر کے ہمراہ تھیں۔" علی جولی موڈ میں بات کر رہا تھا۔

"علی! آپ کو شاعری سے کتنا لگاؤ ہے۔"

"کیا مطلب؟" علی کو ذیشانہ کا سوال عجیب لگا۔

"میرا مطلب ہے اگر میں آپ کو ایک شعر سناؤں تو آپ بور تو نہیں ہوں گے؟" ذیشانہ کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت بہت فریش موڈ میں ہے۔

"مسز آپ ارشاد فرمائیں' پوئٹری میں تو ہماری جان ہے۔"

Digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

"علی پلیز غور سے سنیے گا اور پھر ماؤتھ پیس پر اس کی مترنم آواز گونجی۔

وہ میرے پاس بیٹھے تھے' کہاں لمحوں سے تھم جائیں
کبھی بھی دور نظروں سے' نہ وہ جائیں نہ ہم جائیں
عجب ہیں روگ چاہت کے' سنو نیندیں نہیں آتی
کسی کے خواب آنکھوں میں اگر بچپن سے جم جائیں

"کیسا ہے مسٹر شاہو؟" زیشانہ بڑی ترنگ میں تھی۔ وہ تو اس کی مدھ بھری آواز میں کھو کر کسی اور دنیا میں گم تھا۔ اس کے سوال پر چونک گیا۔

"زیشی! تم سب جان گئی ہو۔" علی حیرت سے چیخ پڑا۔

"جناب' اب ساری اسٹوری سمجھ میں آ گئی ہے۔" آج تو زیشانہ حسن کے انداز ہی نرالے تھے۔

"مسز پلیز' آج میرے آفس آ جاؤ۔ دفتر میں چھٹی ہے' میں گھر سے کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے آتا ہوں۔ دونوں مل کر ڈھیروں باتیں کریں گے۔ تم اپنی کہنا میں اپنی سناؤں گا۔"

"جی نہیں' منہ دھو رکھیے مسٹر' رات بھی جناب کی وجہ سے کراری ڈانٹ کھا چکی ہوں۔ باقی کی رات سوچتے گزر گئی مگر ڈور کا کوئی سرا ہاتھ نہ لگا' باقی کی کسر آج کی نیوز نے پوری کر دی' تمام کرم نوازیاں محترم کی ہیں۔" زیشانہ نے ایک مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔

"مسز شاہ زر علی! کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ساری رات کس ڈور کو پکڑتی رہی؟" علی سچویشن سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"چھوڑیں اس قصے کو کیا کریں گے جان کر۔" زیشانہ نے بات بدل دی۔

"ویسے محترمہ ڈانٹ پلائی کس نے ہے؟ اگر آغا جان نے ڈانٹا ہے تو ویل ڈن' اگر ہم لوگ گھر بدر بلکہ ملک بدر ہو سکتے ہیں تو تم ڈانٹ نہیں کھا سکتیں۔ سچی اس دن جب آغا جان تمہیں کالج ڈراپ کرنے آئے تھے اور جس طرح تمہیں پیار کر رہے تھے' سچی میں تو بڑا جیلس فیل کر رہا تھا۔" علی ایک دم اداس ہو گیا۔

☆☆

رات جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو خاصی الجھی ہوئی تھی۔ دماغ میں علی کا خیال تھا۔ سارا دن اس کے فون کا انتظار کرتی رہی مگر اس کا فون نہ آیا۔ دل عجیب اندیشوں میں گھر گیا تھا۔ علی کا وقار علی خان سے ناراض رہنا اور آغا جان کے تایا ابو کے بارے میں خیالات' وہ بہت ڈپریس ہو گئی تھی۔ بے چینی سے اپنے بیڈ پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ نیند کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی' رات کا ایک بج رہا تھا۔ اسی لمحے موبائل چیخ اٹھا۔ اسے یقین واثق تھا کہ اس وقت علی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے اس نے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو زیشی' میں علی بات کر رہا ہوں۔"

"مل گئی فرصت جناب کو۔" شکوہ فوراً لبوں پر آ گیا۔

"ہاں میں بزی تھا۔ پھر عارف آ گیا وہ اپنا بزنس شروع کر رہا ہے تو کچھ بریفنگ اسے مجھ سے چاہیے تھی۔ بس سارا دن اس کے ساتھ گزر گیا۔" اس کا لہجہ بہت تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"عارف بھائی ادھر ہیں نہیں۔"

"وہ واپس چلا گیا ہے اور فلک حیدر آباد گئی ہے۔ آج اسے شاہ نیل لے کر گیا ہے۔ اماں بہت جلد اداس ہو جاتی ہیں۔ اس کے لیے۔" بات کرتے کرتے علی نے اپنی جماہی روکی۔

"اچھا علی آپ آرام کریں۔ میرے خیال میں آپ بہت تھک گئے ہیں۔ پھر بات کریں گے۔" زیشانہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں' جسمانی تھکن تو آرام سے اتر جاتی ہے مگر روح کی تھکن کا کوئی علاج نہیں۔ تم سناؤ تمہارا دن کیسا گزرا؟"

"بس سو سو۔" زیشانہ نے جواب دیتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"کیوں گھر میں کسی نے کچھ کہا ہے؟" علی تشویش سے بولا۔ "زیشانہ میں تم سے چند سوال کر رہا ہوں' پلیز ان کا جواب ایمان داری سے دینا۔" وہ اس وقت بہت سیریس اور ڈپریس لگ رہا تھا۔

"جی بالکل میں کوشش کروں گی کہ آپ کی ہر بات کا جواب پوری سچائی سے دوں۔"

"کیا تم ہمارے بارے میں جانتی تھیں۔"

"نہیں۔" زیشانہ نے اس کے سوال کا جواب نفی میں دیا۔

"پھر کب پتا چلا؟" وہ پتا نہیں کس آس پر پوچھ رہا تھا۔

"جب تایا ابو کا اسد ملک کی بیٹی سے اسکینڈل بنا تھا۔ تب آغا جان بی بی جان سے بہت ناراض ہوئے تھے اور میرے پوچھنے پر بہت مشکل سے سب کچھ بتایا تھا۔ البتہ عالیہ پھوپھو کی تمام اسٹوری آغا جان نے اپنے آپ بتا دی تھی۔ علی آپ سے ایک بات پوچھوں؟ ناراض تو نہیں ہوں گے؟" زیشانہ کو اس کے خفا ہو جانے کا ڈر تھا۔

Scanned with CamScanner

"ہاں ہاں پوچھو ایسی کون سی بات ہے؟"

"علی آپ اتنے سیریس اتنے غصیلے کیوں ہیں؟ آپ کا دل نہیں کرتا کہ سب میں ہل کر بیٹھیں؟"

"کیسی بات کرتی ہو ذیشانہ کیا وہ انسان خوش مزاج ہوسکتا ہے جس سے اس کے بچپن کا بھولپن لڑکپن کا بانکپن اور جوانی کے رنگوں کا پیرہن چھین لیا جائے۔ وہ ایسا مزاج نہیں رکھے گا تو کیسا ہوگا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ہم باپ بیٹا ہی پاگل تھے جو ہر وقت اس گھر کے مکینوں اور اس گھر کو ڈسکس کرتے رہتے تھے میرے پیارے بابا جب تک سب لوگوں کی تصویروں کا البم نہ دیکھ لیتے ان کا دن نہ گزرتا تھا اور کچھ نہیں بتایا تمہارے آغا جان نے؟" علی تلخی سے بولا۔

"آپ کے اور میرے رشتے کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔" ذیشانہ جھینپ گئی۔

"شکر ہے بزرگوار کو کچھ تو یاد ہے۔" علی بہت ڈپریس لگ رہا تھا۔

"آپ کا نام شاہو بتایا تھا میں تو آپ کے پورے نام سے ناواقف تھی علی میں بہت ڈرتی ہوں کہ تاریخ ایک بار پھر نہ دہرائی جائے۔ میں عالیہ پھوپھو بن کر نہیں جی سکوں گی۔" وہ بے بسی سے رو پڑی۔

"نہیں ذیشانہ اول تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ایسا کچھ ہوا تو میرے حوالے سے تمہیں ڈھیروں محبتیں ملیں گی۔" علی نے اسے تسلی دی۔

"ذیشانہ آج کا اخبار پڑھ کر تمہارے گھر والوں کا کیا ردعمل تھا؟" علی کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"شیری بھائی کو تو آج پتا چلا ہے آپ کے بارے میں وہ تو بہت بے تاب تھے سب جاننے کے لیے۔ وہ بی بی جان سے سب پتا کریں گے۔"

"پاگل لڑکی تم نے تو کچھ نہیں بتایا شیری کو؟" علی فکرمندی سے بولا۔

"دل تو بہت کر رہا تھا کہ بھائی کو سب بتادوں مگر بات کھل جانے کا ڈر تھا۔"

"بات تو اب بہت جلد کھلے گی میں مزید صبر نہیں کرسکتا۔ اگر بابا کی قسم کی زنجیر میرے پاؤں میں نہ ہوتی تو پتا نہیں میں کیا کر جاتا۔ ذیشانہ عارف ہمارا کزن ہے عالیہ پھوپھو کا بیٹا۔" علی نے ایک نیا انکشاف کیا۔

"کیا عارف بھائی ہمارے کزن ہیں؟" ذیشانہ خوشی سے چیخ پڑی۔

"اچھا ذیشی تم آرام کرو فکر نہ کرنا بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا شب بخیر۔" علی نے فون رکھ دیا۔

ذیشانہ نے دو دن چھٹی کرلی۔ اسے پتا تھا فلک حیدرآباد گئی ہے۔ تیسرے دن وہ کالج گئی تو فلک ناراض تھی۔

"بے مروت لڑکی! اتنی دفعہ گھر بلایا ہے مگر مجال ہے جو محترمہ پر کچھ اثر ہوا ہو۔ فلک نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

جنابہ کالج میں روزانہ ملاقات ہوجاتی ہے میں تو پھر بھی تمہاری منگنی پر آئی ہوں شیری بھائی سمیت ملکہ عالیہ نے کب قدم رنجا فرمایا ہمارے غریب خانے پر۔" ذیشانہ نے بھی شکوہ کر ڈالا۔

"تم بھی اپنی منگنی ارینج کرلو دیکھو کس طرح سر کے بل آتی ہوں۔" فلک نے ذیشانہ کو چھیڑا۔

"سب کو اپنے جیسا سمجھا ہے لگتا ہے عارف بھائی دل سے پسند ہیں محترمہ کو۔" ذیشانہ کے جواب پر دونوں کا قہقہہ ایک ساتھ گونجا۔

علی آج بہت دیر سے گھر آیا تھا۔

☆☆

"فلک ماسی جیراں کہاں ہیں؟ ان سے کہو کھانا گرم کر کے میرے کمرے میں لے آئیں۔ عارف بھی میرے ساتھ ہے۔"

"بھائی! ماسی تو شام کو گھر چلی گئی تھیں۔"

"اچھا تم جلدی کھانا لے کر آؤ بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" علی اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

وہ کھانا لے کر آئی تو عارف کی آواز نے اسے دروازے پر روک دیا۔

"یار تمہاری مسز کا کیا حال ہے؟ تو تو پکا مکار ہے بھابھی کو حیدرآباد لے گئے مگر گھر والے اب تک بے خبر ہیں۔"

"بس یار وقت کا انتظار ہے۔ بہت جلد بابا کو سب بتادوں گا۔ ان کے بغیر تو میری خوشی ادھوری ہے۔" علی خوش لگ رہا تھا۔ فلک کے لیے یہ خبر بڑی حیران کن تھی۔ دماغ گھوم گیا۔ وہ لڑکھڑائی تو ٹرالی الٹ کر دور جا پڑی۔ آواز سن کر علی اور عارف ایک ساتھ باہر نکلے۔

"کیا ہوا ہے فلک؟" علی نے اس کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھا تو پریشانی سے اسے تھاما۔ بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بس بھائی چکر سا آگیا تھا۔" وہ عارف کی نظروں سے پزل ہوگئی۔

"اچھا' تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو' ہم لوگ خود کچن میں جا کر دیکھتے ہیں۔" علی نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اپنے کمرے میں آئی تو شاک کی سی کیفیت میں تھی' بھائی نے شادی کر لی اور ہمیں خبر نہ ہونے دی۔ بابا کی تو پہلے ہی ساری زندگی دکھوں میں گزری تھی۔ جب انہیں پتا چلے گا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ اماں کی خوشی' میرے اور شاہ نیل کے ارمان' ہم دونوں کس طرح مل کر بھائی کی شادی کے پروگرام ترتیب دیتے تھے' یہ آپ نے اچھا نہیں کیا بھائی' وہ دل میں علی سے شکوہ کرنے لگی اور آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھکنے لگے۔

"لگتا ہے فلک نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔" عارف نے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے علی کی طرف دیکھا۔

"تیرے پیٹ میں کوئی بات ٹھہر سکتی ہے' یقیناً اس نے سب سن لیا ہے۔" علی غصے میں تھا۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے بات تو آخر کھلنی ہے۔ کل کی جگہ آج ہی سہی۔" عارف کو کچھ پروا نہ تھی۔ وہ مزے سے کھانے میں مصروف تھا۔

"پیٹو' جب تمہارا یہ تندور بھر رہا ہوتا ہے تو پھر تو یوں ہی بے تکی باتیں کرتا ہے۔" عارف نے ایک شریر نظر ناراض ہوتے علی پر ڈالی اور ایک آنکھ دبا کر اسے چڑایا۔

دوسرے دن صبح کو علی چائے کے ساتھ اپنی آفس فائل چیک کرتا ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔ فلک اسے سلام کرتے ہوئے سامنے والی چیئر پر ٹک گئی۔ رمضو بابا ناشتہ لے آئے تو دونوں ناشتے میں مصروف ہو گئے۔ فلک بار بار بھائی کی طرف دیکھتی جیسے کچھ پوچھنا چاہتی ہو مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ علی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اسے کیا الجھن ہے۔

"فلک کچھ کہنا ہے؟" اس نے فلک کو مشکل سے نکال لیا۔

"اصل میں بھائی' رات کو....." وہ بات کرتے رک گئی۔

"ہاں فلک میں نے کورٹ میرج کی ہے۔ ذیشانہ ہماری کزن ہے۔ آغا جان اور بابا نے بات بچپن میں طے کر دی تھی۔" علی نے سچ بات بتا دی۔

"ذیشانہ' حسن چچا کی بیٹی ہے' جس کا ذکر اماں اکثر کرتی تھیں۔ اوگاڈ' یہ کتنی بڑی خوش خبری ہے۔" فلک حیرت اور خوشی سے چیخ پڑی مگر علی بہت سیریس لگ رہا تھا۔

"اگر بابا کی دی ہوئی قسم میرے راستے میں نہ ہوتی تو میں ذیشانہ کو بغیر رخصتی کے بھی اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا' پھر دیکھتا کہ عزت مآب وقار علی خان کی عزت کس طرح نیلام ہوتی' انہیں تڑپتا دیکھ کر میری روح پر پڑے چھالے ٹھیک ہو جاتے پھر انہیں پتا چلتا کہ حق داروں کو ان کے حق سے محروم کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔" علی کے اندر تک تلخی گھل گئی۔ فلک بھائی کے خیالات جان کر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی دیر بعد بات کرنے کے قابل ہوئی۔

"ذیشانہ ہمارے بارے میں جانتی ہے' بھائی۔" فلک آہستہ سے بولی۔

"ہاں' اب تو سب جان گئی۔" پھر علی نے تمام بات فلک کو بتا دی۔

"علی بھائی! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ذیشانہ جیسی گریٹ لڑکی میری بھابھی ہے۔ جب شاہ نیل کو پتا چلے گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔ بھائی ہم دونوں مل کر آپ کی شادی کے پروگرام بناتے تھے۔" وہ بھرپور خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

"ابھی کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" علی نے اسے سمجھایا۔

"ذیشانہ سے بھی نہیں؟" اس نے شرارت سے بھائی کی طرف دیکھا۔

"تمہاری مرضی۔" وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

"بھائی! کالج کا ٹائم تو گزر گیا ہم لوگ باتوں میں لگ گئے۔"

"اچھا تم چھٹی کر لو۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔" علی اپنی فائلیں اور کوٹ لے کر باہر کی طرف چل پڑا۔ وہ بہت عجلت میں لگ رہا تھا۔

وقار علی خان لان میں بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ نوکر چائے رکھ کر جا چکا تھا۔ وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگے۔ نوکر نے ایک رجسٹری لا کر میز پر رکھ دی اور واپس اندر چلا گیا۔ چائے ختم کر کے لفافہ چاک کیا۔ انہوں نے الٹ پلٹ کر دیکھا تحریر اجنبی تھی پھر نظریں صفحوں پر پھسلنے لگیں۔

از حیدر آباد

گرامی قدر جناب وقار علی خان صاحب!

السلام علیکم!

خان صاحب میری تحریر آپ کے لیے اجنبی ہوگی۔ آپ کے نزدیک میرا شمار بھی اجنبیوں میں ہوگا مگر آپ جیسی معتبر ہستی میرے لیے قطعی اجنبی نہیں۔ آپ کی تجویز کردہ سزا میں میرا پیارا باپ اور میں دن رات جل رہے ہیں۔ آپ کی کرم نوازیوں سے میرا باپ دل کا مریض بن گیا ہے۔ اس کا ایک

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

ایک آنسو آپ کے خلاف میرے خون میں زہر بن کر دوڑ رہا ہے اور اس کا حساب مجھے چکانا ہے۔ اگر میرے پیارے بابا کی قسم میرے قدموں کی زنجیر نہ بنتی تو پتا نہیں میں کس طرح سے انتقام لیتا مگر کیا کروں' میرا باپ اپنوں کی محبت کا مارا ہے۔ اس لیے یہ راستہ اختیار کررہا ہوں۔ آپ کے پاس میری امانت ہے' جس کا فیصلہ آپ نے خود کیا تھا۔ امید ہے آپ میری بات اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے۔ میں ذیشانہ کی بات کررہا ہوں۔ آپ تو اچھی طرح خاندان کے اصولوں سے واقف ہیں بلکہ یہ تمام اصول آپ کے عائد کردہ ہیں۔ بچپن کی منگ ہمیشہ اپنے منگیتر کی ملکیت ہوتی ہے اور وہی اس کا اصل حق دار ہوتا ہے۔ میری رگوں میں بھی اسی خاندان کا لہو دوڑ رہا ہے۔ بات بس اتنی ہے کہ میں اپنے والدین کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اگر آپ اپنی زبان پر قائم ہیں تو پھر بات پکی کردیں۔ اگر آپ کی طرف سے انکار ہوا تو پھر میں وہ کچھ کر گزروں گا جس کا آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ حتیٰ کہ اپنے والد کی قسم بھی توڑ دوں گا۔ آپ لوگوں کی ہر بات سے باخبر ہوں اگر اتنا کچھ جان سکتا ہوں تو پھر کچھ بھی مشکل نہیں' پھر مجھ سے کوئی گلہ نہ کرے' چاہے آپ لوگ ہوں یا میرے اپنے پیارے بابا۔ سنڈے کو میرے والدین آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوں گے۔ امید ہے آپ میری باتوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ ماشاء اللہ سے آپ بڑے سمجھدار واقع ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ اجازت اللہ حافظ
والسلام شاہ زر علی خان ولد احمد یار علی خان۔

خط کو لپیٹتے ہوئے وقار علی خان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ ''تم کیا جانو شاہو بیٹا' تمہارے اس بدنصیب دادا نے اپنی جھوٹی انا کی فصیلوں کو کس طرح اپنے کندھوں پر اٹھایا' جن کے بار سے وقار علی کے کندھے درد سے بلبلا اٹھتے ہیں مگر آہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ وقار علی خان اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ برآمدے میں بیٹھی بی بی جان نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا مگر کچھ پوچھنے کی جرات نہ ہوسکی۔

☆☆

ذیشانہ کالج لائبریری میں بیٹھی نوٹس بنارہی تھی۔ چونکی تو اس وقت جب فلک نے پیچھے سے آکر اس کی آنکھیں بند کردیں۔

''ہیلو گریٹ بھابھی' ہاؤ آر یو؟'' فلک شرارت سے بولی۔

ذیشانہ تو یوں اچھلی جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' اس نے غصے سے فلک کو گھورا۔

''بکواس کی بچی! اتنا کچھ ہوگیا اور تم نے ہوا تک نہ لگنے دی۔'' فلک اسے بڑے پیار سے لپٹائے کھڑی تھی۔

''تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' ذیشانہ بدستور انکاری تھی۔

''اچھا زیادہ جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں' یہ تو پرسوں اتفاق سے عارف اور بھائی کی باتیں سن لیں' پھر بھائی نے خود تمام باتیں مجھے بتادیں۔ سچی ذیشانہ تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کرسکتیں' بے ایمان لڑکی' بھائی سے تو میری اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ مجھ سے یہ بات شیئر کرتے مگر تمہیں کس نے منع کیا تھا اگر یہ بات تم مجھے بتادیتیں۔'' فلک شکوہ کرنے لگی۔

''میرے پاس تمہارے اس سوال کا کوئی جواب نہیں یہ تم اپنے ہٹلر بھائی سے پوچھنا جو ہر وقت ہر کسی کا خون پینے کو تیار رہتا ہے۔'' ذیشانہ کی بات پر فلک ناز کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ اتنا لیٹ کیوں آئی ہو؟'' ذیشانہ نے اپنا پین پرس میں رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بس یار تمہارے صاحب بہادر کو ہزاروں کام ہوتے ہیں جب موڈ بنتا ہے تو لے آتے ہیں۔''

''چلو اگر ان کو کام ہوتا ہے تو تم ڈرائیور کے ساتھ آجاتیں۔'' ذیشانہ نے اپنا دوپٹہ سر پر جمایا۔

''توبہ کرو ذیشانہ' میں اور ڈرائیور کے ساتھ۔ مجھے تو ہمیشہ بابا شاہ ہی کالج ڈراپ کرآتے تھے اور ادھر بھائی نے مجھے کبھی اکیلا نہیں آنے دیا چاہے دیر بھی ہوجائے یہ بات تو پرنسپل کو پتا ہے اس لیے وہ کچھ نہیں کہتے۔ تمہیں یاد نہیں ذیشانہ کہ تمہارے آنے جانے پر بھائی کس طرح چراغ پا ہوتے تھے۔ یہ تو اب پتا چلا ہے کہ جناب پر حق جتایا جاتا تھا۔'' فلک اسے مسلسل چھیڑ رہی تھی۔

چھٹی کے وقت دونوں گیٹ پر آئیں تو چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ اپنوں سے مل جانے کا احساس ہی خوش کن ہوتا ہے۔ یہاں تو برسوں کے فاصلے تھے درمیان میں مل جانے کی خوشی ہی نرالی تھی۔ جب اندر کے موسم خوب صورت ہوں تو پھر یوں ہی چہروں پر دھنک رنگوں کی برسات اتر آتی ہے۔ یہ ہی حال اس وقت ذیشانہ حسن کا تھا۔ وائٹ کلر کے یونیفارم پر بلیک کلر کی تار کشی والی جارجٹ کی چادر ماتھے تک لپیٹے آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ دور ہی سے علی نے

اس کا یہ خوب صورت روپ نظروں میں اتار لیا اور بالکل قریب آ کر گاڑی روک دی۔

"کیسی ہیں مسز؟ بہت دن ہو گئے۔ اس رخ روشن کا دیدار نہیں ہوا۔" وہ اپنا چہرہ باہر نکال کر بڑی شریر نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ ذیشانہ نے جھینپ مٹانے کے لیے اپنا چہرہ فلک کی اوٹ میں کر لیا۔ فلک کا قہقہہ اسے مزید پزل کر گیا۔ فلک کے لیے بھائی کا یہ روپ بالکل نیا اور خوب صورت تھا۔

"فلک! اگر محترمہ کی سواری باد بہاری نہیں آئی پھر انہیں ہم ڈراپ کرتے ہوئے جائیں گے۔" علی فرنٹ سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آؤ ذیشانہ ہمارے ساتھ۔" فلک گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ ذیشانہ کا ارادہ بھی فلک کے ساتھ پیچھے بیٹھنے کا تھا مگر علی نے ہاتھ پکڑ کر اسے فرنٹ سیٹ پر دھکیل دیا۔ فلک نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بلش ہو گئی۔ راستے میں ذیشانہ نے گھر جانے کی آفر کی تو فلک نے اجازت طلب نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا۔

"ہاں، چلی جاؤ مگر احتیاط کرنا کوئی بات آؤٹ نہ ہو۔ واپسی کے لیے مجھے فون کر دینا میں لینے آ جاؤں گا۔"

"ذیشانہ! بھائی کو گھر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟" فلک خوب چہک رہی تھی۔

"یہ مجھے کیا دعوت دے گی، اس گھر میں قدم رکھنا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔" علی نفرت سے بولا تو ذیشانہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ آنسو پر اختیار نہ رہا۔

"مس ذیشانہ حسن آخر آپ ہر وقت خود کو مظلوم پوز کرنے کی کوشش میں کیوں رہتی ہیں۔ آخر کیا باور کرانا چاہتی ہیں کہ ہم ظالم ہیں اور آپ مظلوم، نہیں مس حسن مظلوم وہ لوگ ہوتے ہیں جو محرومیاں جھیلتے ہیں، آپ تو پیار کے ہنڈولوں میں جھولی ہیں، پھر یہ مسکینیت کیسی؟" علی زور سے بولا تو ذیشانہ کے ساتھ ساتھ فلک بھی سہم گئی۔ گاڑی ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی وہ اپنی انگلیاں بالوں میں پھنسائے بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

دونوں لڑکیاں خوف کے مارے آنکھیں موندے دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرنے لگیں۔ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ گاڑی گیٹ پر روکی تو دونوں نے سکون کا سانس لیا۔

"واپس جلدی آنا، فون کر کے بتا دینا میں آ جاؤں گا۔" وہ بہن کو تاکید کرتا گاڑی تیزی سے اڑا لے گیا۔ ذیشانہ کی نظروں نے گاڑی کا دور تک پیچھا کیا۔ فلک نے نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپایا اور ڈور بیل پر انگلی رکھ دی۔ گھر میں سب لوگ موجود تھے آغا جان، بی بی جان، حسن چچا، سمیرا چچی، شیری بھائی سب لوگ بہت اچھے تھے۔ آغا جان سے مل کر یوں لگا جیسے وہ گھنی چھاؤں میں آ گئی ہو۔ فلک کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اب تک کڑی دھوپ میں جلتی رہی تھی۔ اچانک ہی آج ابر رحمت نے اس پر سایہ کر دیا تھا۔ خوشی کے مارے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے مگر اسے ضبط کرنا تھا۔ لنچ زبردست تھا۔ آغا جان بڑے پیار سے اسے ایک ایک ڈش پیش کر رہے تھے۔ بی بی جان تو سراپا شفقت لگ رہی تھیں ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ ذیشانہ کے کمرے میں آ کر اس نے علی کو فون کیا۔ سب لوگوں سے مل کر وہ گیٹ کی طرف آ گئی۔ شیروان اور ذیشانہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ علی آیا تو شیروان نے اسے بڑے خلوص سے اندر آ کر ایک پیالی چائے کی آفر کی مگر وہ کمال خوب صورتی سے ٹال گیا۔

☆☆

علی آج آفس سے جلدی آ گیا۔

"فلک! تیاری کر لو، ہم لوگ حیدر آباد چل رہے ہیں۔" وہ کافی عجلت میں لگ رہا تھا۔

"خیریت بھائی؟"

"ہاں آج ویک اینڈ ہے اور مجھے بابا سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تم جلدی کرو۔" وہ اسے تاکید کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ لوگ حیدر آباد پہنچے تو اماں، بابا انہیں اچانک اپنے سامنے پا کر خوش ہو گئے۔ رات کو وہ احمد یار علی خان کے کمرے میں موجود تھا۔

"بابا! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" احمد یار علی خان کے ہاتھ تھامتے ہوئے وہ کارپٹ پر ٹک گیا۔ سر ان کی گود میں رکھ کر وہ ہمیشہ ہی پرسکون ہو جاتا تھا۔

"کہو جان پدر، کیا کہنا ہے؟" اس کا خوب صورت چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیے وہ اسے بڑے پیار سے تک رہے تھے۔

"بابا! میں نے آغا جان کو آپ کے آنے کا پروگرام بتا دیا ہے۔ پلیز آپ لوگ جا کر ان سے رشتے کی بات طے کر آئیں۔" علی ضدی انداز میں بات کر رہا تھا۔

"صاحبزادے! اب اتنی بے قراری بھی ٹھیک نہیں۔" وہ بات کو ایزی لے رہے تھے۔

"بابا پلیز! میری بات کو مذاق میں مت ٹالیں۔ آئی ایم

Scanned with CamScanner

سیریس آپ کو ہر حال میں کل وہاں ضرور جانا ہے۔'' علی حتمی لہجے میں بولا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا' میں اس در پر کیسے جا سکتا ہوں جہاں کے دروازے مجھ پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ اگر اس دفعہ بھی مجھے وہاں سے دھتکار دیا گیا تو یہ صدمہ میں سہار نہیں سکوں گا اور جو یہ جسم سے روح کی ڈور بندھی ہے ایک لمحے میں ٹوٹ جائے گی۔'' احمد یار علی خان بہت افسردہ ہو گئے تھے۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا بابا اب آپ پہلے والے احمد یار علی خان نہیں رہے۔ اب آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ ہے' میں اماں سے بات کرتا ہوں۔ بس آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے جا چکا تھا۔ احمد یار علی خان دیواروں کو تک رہے تھے۔ ان کی نظریں بڑی اداس تھیں۔

دوسری صبح سب لوگ پرجوش تھے۔ سوائے احمد یار علی خان اور علی کے' دونوں باپ بیٹا خاموش تھے۔ شاہ نیل سب سے زیادہ پرجوش تھا۔

وقار علی خان کو غیر ارادی طور پر ان لوگوں کا انتظار تھا۔ وہ ہر آہٹ پر چونک جاتے۔ ان کی پریشانی کو بی بی جان نے بھی محسوس کیا مگر پوچھنے پر کوئی تسلی بخش جواب نہ آیا۔ آج اتوار تھا۔ گھر کے سب افراد موجود تھے۔ شیروان اور حسن علی خان لان میں پودوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف تھے۔ ہر سنڈے کو دونوں باپ بیٹا مل کر لان کی حالت درست کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔ لہٰذا آج بھی مشغلہ جاری تھا۔ سمیرا بیگم کمروں کے ڈیکوریشن پیس باہر نکلوائے اپنی نگرانی میں ان کی صفائی کروا رہی تھیں۔ ذیشانہ اور بی بی جان برآمدے کے آگے کرسیاں ڈالے باتوں میں مصروف تھیں۔ صرف آغا جان تھے جو اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھے لان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک چکر پر چکر لگا رہے تھے۔ چہرے پر کسی الجھن کے آثار نمایاں تھے۔ انداز میں بے چینی صاف نظر آ رہی تھی مگر پوچھنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔

بیل کی آواز پر آغا جان نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی اس غیر ارادی حرکت کو بی بی جان نے نوٹ کیا اور لاپرواہی سے سر جھٹک دیا۔ گیٹ کھلا تو شاہ نیل سب سے پہلے اندر آیا۔ فلک ناز اور مسز احمد یار اس کے پیچھے تھیں۔ سب سے آخر میں احمد یار علی خان سر جھکائے چلے آ رہے تھے۔ آغا جان برآمدے میں کھڑے گلاس ڈور سے جھانکتے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آنسو تیزی سے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ باتوں میں مصروف ذیشانہ کی نظر جیسے ہی اوپر اٹھی تو ساکت رہ گئی۔ یہ سب کیسے؟ وہ تو سن سی بیٹھی رہ گئی۔ حسن علی خان اور شیروان بھی آنے والوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ارے شاہ نیل تم لوگ یوں اچانک؟'' شیروان ان کی طرف بڑھ آیا۔ سب لوگ ایک دوسرے سے ملے۔ ذیشانہ تو بت کی مانند لگ رہی تھی۔ بی بی جان اپنی بھیگی آنکھیں رومال سے پونچھنے لگیں۔ احمد یار علی خان' بی بی جان کی طرف بڑھے اور وہیں ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

''بی بی جان! یہ میں ہوں احمد یار۔ آپ کا بدنصیب بیٹا۔'' آواز آنسوؤں میں دب گئی۔

''میرا بچہ' میرا چاند۔'' عائشہ بیگم نے آنسوؤں کی برسات میں کئی بوسے لے ڈالے۔ کرن بیگم اور سمیرا بیگم ایک دوسرے سے لپٹی ماضی کی یاد تازہ کر رہی تھیں۔ حسن علی خان بھی وہیں بھائی کے ساتھ ماں کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ شیروان تو حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ تو سرے سے ہی اس قصے سے ناواقف تھا۔ برسوں کے بچھڑے ایک دوسرے سے ملے تو بن بادل برسات ہو گئی۔

''بی بی جان! مجھ سے ملیے' میں بھی آپ کا پوتا ہوں۔ شاہ نیل بقول علی بھائی کے میڈان امریکہ۔'' شاہ نیل کے تعارف کروانے کے انداز پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ڈھیروں چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل کر ان کے آنگن میں اتر آئے ہوں۔ دور کھڑے آغا جان نے یہ دلفریب منظر اپنی آنکھوں میں اتار لیا۔ احمد یار علی خان اب تک بی بی جان کے قدموں میں بیٹھے تھے۔

''حسن! آغا جان کہاں ہیں؟'' پتا نہیں میری خطائیں معاف بھی کریں گے یا نہیں اگر اس دفعہ نکالا گیا تو جی نہیں سکوں گا۔''

''ارے بھائی جان کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آیئے اندر آغا جان کے پاس چلتے ہیں۔'' حسن علی خان بھائی کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیے اندر کی طرف بڑھے تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ آغا جان برآمدے میں پڑی چیئر پر بیٹھے آنسو سے تر چہرہ صاف کر رہے تھے۔ بیٹے کو دیکھتے ہی محبتوں کے ہزاروں چشمے ابل پڑے اور خود ساختہ نفرت کی دیواریں زمین بوس ہو گئیں۔ احمد یار علی خان' آغا جان کی طرف بانہیں

Scanned with CamScanner

پھیلائے آگے بڑھے تو انہوں نے بڑھ کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ تمام گلے شکوے آنسو کی برسات میں دھل گئے۔ بہت ہی حسین سماں تھا۔ سب مل کر بیٹھے تو باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ نوکر نے کھانا لگ جانے کی اطلاع کی تو سب لوگ ڈائننگ ہال میں چلے آئے۔ کھانا کھاتے ہوئے سب لوگ اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے۔ فلک اور ذیشانہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

"ذیشانہ, بھائی کے حال دیکھو ہمیں باہر ہی سے ڈراپ کر کے واپس چلے گئے اگر ساتھ ہوتے تو اپنی مسز کی حالت دیکھتے' کس طرح ہم لوگوں پر نظر پڑتے ساکت ہو گئی تھی محترمہ۔" وہ آہستہ آواز میں ذیشانہ کو چھیڑ رہی تھی۔

"فلک! علی اندر کیوں نہیں آئے کیا اب تک ناراض ہیں؟" وہ بڑے دھیمے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"کیوں بھائی کے لیے اداس ہو رہی ہو' چلو اپنے کمرے میں چل کر فون کر لو' بھائی بھی خوش ہو جائیں گے۔" اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔

"اچھا زیادہ بکواس نہ کرو۔"

"شام کو بھائی ہمیں لینے آئیں گے خوش ہو جاؤ۔" فلک نے قہقہہ لگایا۔

شیروان نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی جو کب سے نجانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ کھانے کے بعد بڑوں کی محفل آغا جان کے کمرے میں جمی تھی' ینگ جنریشن شیروان کے کمرے میں براجمان تھی۔ احمد یار علی خان اپنے گزرے ہر پل کی داستان آغا جان کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ وقار علی خان شرمندگی سے سر نہیں اٹھا رہے تھے۔ بار بار بیٹے کو سینے سے لگا کر چومتے دن گزرنے کا پتا نہ چلا۔ سات بجے علی نے فون کیا۔ "بابا آپ لوگ سب سے مل لیں' میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"تم آ جاؤ' آغا جان تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ صبح گھر چلیں گے۔" احمد یار علی خان بہت خوش لگ رہے تھے۔

"بابا! آپ جس قصد کے لیے گئے تھے وہ بات کر لی۔" علی نے ان کی بات نظر انداز کر دی۔

"تم آؤ تو سہی' بات بھی کر لیں گے۔ آخر جلدی کیا ہے۔" احمد یار علی خان بہت پرسکون لگ رہے تھے۔

"سوری بابا' میں آپ کی بات نہیں مان سکتا' جب آپ کا واپسی کا پروگرام ہو مجھے فون کر دیجیے گا اچھا اللہ حافظ۔" اس کی آواز بہت بوجھل تھی۔

"علی بیٹا فون مت رکھنا آخر تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

"بس بابا' میں آغا جان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ اگر ان سے میرا سامنا ہوا تو میں ضرور گستاخی کر جاؤں گا' جس سے آپ کو بہت دکھ ہوگا اور میں آپ کو دکھی نہیں کرنا چاہتا۔" علی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"مگر بیٹا اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ پلیز میری خاطر آ جاؤ۔" وہ بڑے پیار سے بات کر رہے تھے۔

"آپ کی خاطر ہی تو سب کچھ کیا ہے بابا میں نے۔ وعدہ کیا تھا نا کہ ایک دن آپ کے سب اپنوں سے آپ کو ملواؤں گا تو بابا میں نے وہ اپنا وعدہ آج پورا کر دیا ہے' پلیز آپ اس سے زیادہ کی مجھ سے امید نہ رکھیں۔" احمد یار علی خان ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھے رہ گئے۔ کیوں کہ دوسری طرف سے رابطہ کٹ چکا تھا۔

"احمد بیٹا شاہو بیٹے کا فون تھا نا' آ رہا ہے۔" احمد یار علی خان آغا جان کے کمرے میں آئے تو انہوں نے سب سے پہلے یہ ہی سوال کیا۔

"جی آغا جان فون تو علی کا تھا' بس برخوردار کچھ اکڑ دکھا رہا ہے۔" وہ بہت محبت سے بیٹے کا ذکر کر رہے تھے۔

"احمد بیٹا! وہ حق بجانب ہے۔ میں ہی اس کا مجرم ہوں۔ اپنی جھوٹی انا کی خاطر اپنے پیاروں کو خود سے جدا کر دیا۔ تم مجھے اس کا فون نمبر دو۔ میں خود بات کرتا ہوں۔"

"نہیں آغا جان' اس وقت بات کرنے کا کچھ فائدہ نہیں' وہ اس وقت کسی کی نہیں سنے گا۔" احمد یار علی خان بیٹے کے مزاج سے آشنا تھے۔

دوسری صبح کوئی بھی کہیں نہیں گیا۔ سب لوگ علی کو بہت مس کر رہے تھے۔ "احمد بیٹا تم مجھے علی کے پاس لے چلو میں خود شاہو کو لے کر آؤں گا جب سے اس نے مجھے خط لکھا ہے اس دن سے اس کے لیے تڑپ رہا ہوں۔"

"آغا جان! میں فون ملا دیتا ہوں۔ آپ علی سے بات کر لیں۔" احمد یار علی خان انہیں فون پکڑاتے خود کمرے سے باہر چلے گئے۔

"یس' شاہ زر علی خان اسپیکنگ۔" خوب صورت آواز آغا جان کے کانوں میں رس گھول گئی۔

"شاہو بیٹا! میں ہوں تمہارا دادا۔" وقار علی خان کی آواز میں ایک تڑپ تھی۔

"کہیے بزرگوار کیسے یاد کر لیا۔" وہ رکھائی سے بولا۔

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

"شاہو بیٹا! میں تمہارا اور تمہارے باپ کا مجرم ہوں۔ مجھے معاف کردو۔" وہ بہت آزردہ لگ رہے تھے۔

"میرے بابا نے آپ کو معاف کیا میں نے بھی آپ کو معاف کیا اور کچھ؟" وہ بہت ہٹ دھرمی سے بات کررہا تھا۔

"شاہو! میرے لال! اس بڈھے کو اس عمر میں مت خوار کرو۔" آغا جان کی آواز بھرا گئی مگر دوسری طرف کچھ اثر نہ تھا۔ رابطہ کٹ چکا تھا۔ پھر اکثر وقار علی خان نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ اول تو فون ریسیو نہیں کرتا تھا اگر کبھی اتفاق سے اٹھا بھی لیتا تو ان کی آواز سن کر فون بند کردیتا۔

"احمد بیٹا! آج مجھے شاہو کے دفتر کا پتا دے دو۔ میں خود جا کر اسے لے آتا ہوں۔" آغا جان بہت بے قرار لگ رہے تھے۔

"نہیں آغا جان، وہ اس وقت غصے میں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ خوامخواہ وہ آپ کی شان میں کوئی گستاخی کر جائے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکوں گا۔" احمد یار علی خان نے انکار کردیا۔ وقار علی خان نے شاہ نیل سے کہا کہ وہ انہیں علی کے پاس لے چلے۔

شاہ نیل انہیں آفس سے باہر ہی ڈراپ کرکے واپس چلا گیا کیونکہ یہ ان کی خواہش تھی۔ علی اپنے گرد فائلیں پھیلائے بہت مصروف لگ رہا تھا۔

"شاہو بیٹا!" آغا جان کی آواز پر وہ چونک گیا۔ "یہ کب آئے؟" وہ بے اختیار کھڑا ہوگیا حالانکہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ۔" ہونٹ ہلے۔

"ہاں یہ میں ہوں تمہارا بدقسمت دادا، جس نے اپنے پیاروں کو اپنی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھا دیا۔" وہ اپنے بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہے تھے جب کہ وہ بے حس و حرکت کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ وقار علی خان کا چہرہ آنسو سے تر تھا وہ اسے دیوانوں کی طرح چوم رہے تھے۔

"میرا شاہو، میرا لعل۔ کیسا خوب صورت شہزادہ نکلا ہے۔ بس تو مجھے معاف کردے تو مجھے چین نصیب ہو۔"

"پلیز ایک طرف ہوجائیں۔ مجھے بہت کام ہے۔" علی کو ڈر تھا کہیں ان کے آنسوؤں سے وہ پگھل نہ جائے۔

"شاہو بیٹا! جو کچھ ہوا خدا کے لیے بھول جاؤ۔ تم میرے ساتھ گھر چلو، میں اپنی تمام غلطیوں کا ازالہ کردوں گا۔" آغا جان اسے اب بھی تھامے ہوئے تھے۔

"آغا جان! میں نے معاف کیا۔" علی نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔ جن کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے مچل رہے تھے۔ وہ نظریں چرا گیا اور انہیں تھام کر صوفے پر بٹھایا۔

"کیا لیں گے آغا جان۔" اس نے فرض میزبانی نبھایا۔

"تمہارا پیار۔" وہ بے بس لگ رہے تھے۔

"کولڈ ڈرنک، چائے، فروٹ۔" اس نے بہت کچھ آغا جان کے لیے منگوالیا۔

"شاہو بیٹا! مجھے کسی چیز کی طلب نہیں، بس تم میرے پاس آکر بیٹھو۔"

"بس آغا جان کچھ ضروری فائلز دیکھنا ہیں۔ پلیز آپ یہ چیزیں لیں نا۔" وہ انہیں تاکید کرتا اپنی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ فون کی بیل ہوئی تو اس نے فون اٹھایا۔

"علی بیٹا! آغا جان آئے ہیں تمہارے پاس؟" دوسری طرف بابا تھے۔

"جی وہ ادھر آفس میں موجود ہیں۔" انداز لاپرواہ سا تھا۔

"علی! تم نے آغا جان کی شان میں کوئی گستاخی کی تو میں تمہیں زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔"

"اچھا بابا! میں اس وقت بزی ہوں پھر بات کریں گے۔" علی نے فون رکھ دیا۔ آغا جان ایک ٹک اسے تکے جارہے تھے۔ جیسے نظروں کی پیاس بجھا رہے ہوں۔ وہ فارغ ہوکر ان کے پاس آبیٹھا۔

"شاہو بیٹا! گھر چلو، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"بابا کو آپ مل گئے بس یہ ہی کافی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم اب تک ناراض ہو۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" اس کا جواب نفی میں تھا۔

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔"

"وہاں جانے کی میری چند شرائط ہیں۔" علی یوں بات کررہا تھا جیسے کوئی بزنس ڈیل کررہا ہو۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔" آغا جان بے تابی سے بولے۔

"میں جو کچھ بتانے جارہا ہوں ان باتوں کے جواب مجھ سے لیجیے گا۔ دوسرے فرد سے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی آپ کو۔"

"ایسی کیا بات ہے شاہو بیٹا؟" آغا جان حیرانی سے بولے۔

"آغا جان! میں نے ذیشانہ سے کورٹ میرج کرلی ہے۔" علی کے انکشاف پر آغا جان حیرت سے اچھل پڑے۔ چائے کی پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری۔

"اس کا مطلب ہے ذیشانہ نے بھی عالی کی طرح قدم اٹھایا۔" آغا جان ڈھے سے گئے۔

Scanned with CamScanner

"آپ ذیشی کو الزام نہیں دیں گے۔ یہ سب میں نے کیا ہے۔ اس میں ذیشانہ بے قصور ہے۔ آغا جان! آپ لوگ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ اولاد ہی غلطی پر ہوتی ہے۔ نہیں آغا جان عالیہ پھوپھو کے معاملے میں صرف وہ مجرم نہیں ہیں۔ آپ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ نے اگر عالیہ پھوپھو کو یونیورسٹی میں پڑھنے کی اجازت دی تھی تو پھر ان کا خیال بھی رکھا ہوتا۔ باپ اور بھائی تو ہر لڑکی کا سائبان ہوتے ہیں۔ عورت ذات تو ہمیشہ سے کمزور رہی ہے۔ ہمارا معاشرہ تو مردوں کا معاشرہ ہے۔ اگر آپ، بابا حسن چچا انہیں تحفظ فراہم کرتے تو میرے خیال میں یہ سب نہ ہوتا۔ باقی رہی ذیشانہ کی بات تو وہ ہر جگہ ڈرائیور کے ساتھ آتی جاتی تھی۔ کئی بار میرا اس سے سامنا ہوا۔ اسے یوں اکیلا دیکھ کر مجھے اس کی طرف دیکھنے اور بات کرنے کی جرات ہوئی۔ اگر ڈرائیور کی جگہ حسن چچا یا شیروان اس کے ساتھ ہوتے تو میں اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ہمت نہ کرتا۔ یہ غلطیاں ہماری اپنی ہوتی ہیں۔ جن کا ذمے دار ہم ان بے بس عورتوں کو ٹھہراتے ہیں۔" علی کی باتیں آغا جان کو روشنی کی نئی راہ دکھا رہی تھی۔

"فلک کو ہم نے کبھی اکیلے نہیں جانے دیا۔ بابا منسٹر بنے اور شاہ نیل بھی اسلام آباد پڑھنے چلا گیا تو پھر اس کے لیے اکیلا جانا ایک مسئلہ تھا اس لیے میں نے اس کا مائیگریشن ادھر کراچی کرا لیا۔ مجھے بہت ڈر تھا کہ کہیں تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر نہ دہرائے۔"

"شاہو بیٹا! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری منفی سوچ کو مثبت سوچ میں بدل دیا۔" آغا جان نے مسکرا کر علی کی طرف دیکھا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ ہم سب عالیہ پھوپھو کے گھر جائیں گے تاکہ انہیں بھی میکے کا تحفظ ملے۔"

"برخوردار بس اب گھر چلنے کی بات کرو۔ باقی کی شرائط میں گھر جا کر سنوں گا اور پوری بھی کروں گا۔ میرا وعدہ رہا۔" آغا جان نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"بس آغا جان، چلتے ہیں۔" وہ آفس کے بارے میں ہدایت دیتا ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

"آئی ایم ویری سوری آغا جان۔" وہ وقار علی خان سے معافی مانگ رہا تھا۔

شام پانچ بجے دونوں دادا پوتا ایک دوسرے کو گلے لگائے جب گھر میں داخل ہوئے تو سب لوگ برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ علی نے دیکھا چائے کی پیالی ذیشانہ کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی تھی۔ باقی لوگ بھی حیرت اور خوشی سے یہ خوب صورت منظر دیکھ رہے تھے۔ علی سب سے ملا۔ بی بی جان اور حسن چچا اسے چومتے نہ تھک رہے تھے۔ ایزی ہو کر جب علی نے اپنے بیٹھنے کے لیے نظر دوڑائی تو ذیشانہ کے قریب خالی چیئر نظر آئی تو وہیں آ کر بیٹھ گیا۔ ذیشانہ کو تو سلام کرنے کا خیال بھی نہ رہا۔

"السلام علیکم مسز! کیا مجھے دیکھ کر ہپناٹائز ہو گئی ہو؟" علی نے سرگوشی کی۔ فلک شرارت سے ذیشانہ کو دیکھ رہی تھی۔ چائے بہت خوشگوار ماحول میں پی جا رہی تھی۔

"احمد بیٹا اور حسن بیٹا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" آغا جان نے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھا۔ "یہ بات میں سب کے سامنے اس لیے کر رہا ہوں کہ شاہو بیٹے نے میری آنکھوں پر پڑی غفلت کی پٹی اتار دی ہے۔ مجھے اب پتا چلا ہے کہ بند کمروں میں کیے گئے فیصلے ہمارے بچوں کی خوشگوار زندگی کے راستے بند کر دیتے ہیں۔"

"جی آغا جان آپ حکم کریں۔" احمد یار علی خان سعادت مندی سے بولے۔

"شاہو بیٹے اور ذیشانہ کی بات ہم نے بچپن میں طے کر دی تھی۔" علی نے آغا جان کی بات پر مسکرا کر شرارت سے ذیشانہ کی طرف دیکھا تو وہ بلش ہو گئی۔

"اب ماشاءاللہ سے دونوں جوان ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی شادی جلد کر دیں تاکہ میں اپنی زندگی میں اپنی کسی ایک زیادتی کا ازالہ کر جاؤں۔" آغا جان آبدیدہ ہو گئے۔

"ٹھیک ہے آغا جان۔" حسن علی خان نے باپ کی بات کی تائید کی۔

"اور حسن بیٹا، شاہو ہمارا کام آسان کر چکا ہے۔ کیونکہ یہ نکاح کر چکا ہے۔ تم دونوں بھائی قاضی کے خرچے سے بچ جاؤ گے بس تم ذیشانہ بیٹی کی رخصتی کی تیاری کرو۔" آغا جان نے بات کو مزاح کا رنگ دیا۔ علی نے دیکھا حسن چچا کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا تھا مگر وہ ضبط کر گئے تھے۔

"کب؟ کیسے؟" ہر طرف سے آوازیں آنے لگی۔ ذیشانہ تو شاک کی کیفیت میں تھی مگر آغا جان کی باتیں اسے حال کی دنیا میں لے آئیں۔ دل چاہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ بے خیالی میں اپنا ناخن چبا رہی تھی۔ موتی پلکوں سے ٹوٹ کر قمیض کے دامن میں جذب ہو رہے۔

علی اس کی فیلنگز اچھی طرح محسوس کررہا تھا۔ آغا جان نے علی کی بتائی ہوئی تمام باتیں سب کے سامنے بیان کردیں۔

"ذیشانہ! پلیز بی ریلیکس تم نے کوئی جرم نہیں کیا سب کچھ میں نے کیا ہے لہٰذا جواب دے بھی میں رہی ہوں۔" علی نے بلا جھجک سب کے سامنے ذیشانہ کو تسلی دی۔ نوجوان پارٹی اس سچویشن سے لطف لیتے ہوئے اپنے قہقہے ضبط کررہے تھے۔

"ذیشانہ بیٹی! اس سارے معاملے میں تمہارا کوئی قصور نہیں جو ہوا بھول جاؤ۔ خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" آغا جان نے بڑھ کر پوتی کو سینے سے لگالیا۔

"پلیز آپ سب میری غلطی کو معاف کردیں۔ میں تو سوچتا تھا ذیشانہ کے ذریعے آپ لوگوں کو اپنے بابا کے آگے جھکنے پر مجبور کردوں گا۔ وہ اب آغا جان کے گھٹنے تھامے نیچے کارپٹ پر بیٹھا تھا۔ "مجھے ڈر تھا آپ انکار کردیں گے تو میں زبردستی ذیشانہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور آپ بے بس ہوکر میرے بابا کے سامنے جھک جائیں گے۔" وہ اب وضاحتیں پیش کررہا تھا۔

"بس کرو شاہو بیٹا جو کچھ ہوا میرے خیال میں بہتر ہوا۔ خاندان کو ملانے کا سہرا تمہارے سر ہے۔" آغا جان بہت پرسکون لگ رہے تھے۔ ذیشانہ نے ایک سلگتی ہوئی نظر علی پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ایک ہفتہ تو پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ سوائے ذیشانہ کے جیسے ایک چپ لگ گئی تھی۔ علی اسے دیکھتا تو بس ٹھنڈی سانس لے کر رہ جاتا کیونکہ اس نے جب بھی بات کرنے کی کوشش کی تو وہ ہمیشہ ادھر ادھر ہوجاتی۔ اس نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

شاہو کی مرضی اور شرط کے مطابق عالیہ پھوپھو کے یہاں جانے کا پروگرام بن چکا تھا۔ سب لوگ بہت خوش اور پرجوش تھے۔

☆☆

دوسرے دن صبح ۹ بجے کی فلائٹ تھی۔ سب لوگ بہت ہی پرجوش تھے۔ سرمد ملک کے گھر بڑی رونق تھی۔ سامک اپنی فیملی کے ساتھ ملتان سے کراچی آیا ہوا تھا۔ شجیعہ ملک بھی بھائی اور بھابھی سے ملنے آئی تھیں۔ ان کے بچوں نے خوب ادھم مچایا ہوا تھا۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو عارف بھاگ گیا۔ یہ ضرور علی کا بچہ ہوگا عارف بڑبڑایا اور گیٹ کھول دیا۔ آنے والوں پر نظر پڑی تو خوشی سے چیخ پڑا۔

"امی! ابو آئیں دیکھیں کون آیا ہے۔" عالیہ بیگم کی خوشی دیدنی تھی۔ برسوں بعد خدا نے اپنوں سے ملادیا تھا۔ سارے لوگ آغا جان اور بی بی جان کے گرد جمع تھے۔ ان لوگوں نے مشعل کے لیے بات کی تو سرمد ملک اور عالیہ بیگم نے انہیں مایوس نہ کیا۔ ٹیبل پر مٹھائی کے کئی تھال دھرے تھے۔ ذیشانہ بھائی کی خوشی میں خوب چہک رہی تھی۔ اپنے براؤن لمبے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتی اور ہنستی مسکراتی ہوئی علی کے دل میں اتر رہی تھی۔ وہ اسے ایک ہی اینگل سے دیکھے جارہا تھا۔ ذیشانہ کو اپنے چہرے پر نظروں کی تپش کا احساس ہوا تو اس نے ایک نظر علی پر ڈال کر ناگواری سے رخ دوسری طرف پھیرلیا۔ علی نے اس کی ناگواری کو محسوس کیا اور ایک سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ ذیشانہ حسن میں تمہارے گریز کو حجاب سمجھ رہا تھا مگر معاملہ کچھ اور ہے۔ وہ سوچتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

ینگ پارٹی نے لاہور گھومنے کا پروگرام بنایا تھا۔ سب لوگ تیار تھے۔ علی نے ذیشانہ کو نہ پاکر نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔ پھر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ آخر وہ مشعل کے کمرے میں مل گئی۔

"محترمہ آپ مزے سے میگزین پڑھ رہی ہیں۔ سب لوگ آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" وہ اس کے قریب بیڈ پر ٹک گیا۔ وہ بیڈ سے اچھل کر یوں اتری جیسے کوئی بھوت نظر آگیا ہو۔ علی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"مسز! گھبرانے کی کیا بات ہے۔" وہ مزے سے بولا۔

"لگتا ہے مسٹر علی آپ کی آنکھوں پر پڑے خوش گمانیوں کے پردے اب تک نہیں ہٹے۔ خوش فہمی اور ہٹ دھرمی کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ یہاں سے تشریف لے جاسکتے ہیں۔" وہ بڑی دلیری سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ وہ تو حیرت سے اس کا روپ دیکھ رہا تھا۔

"پلیز ذیشانہ، میری خاطر مان جاؤ۔ گزرے وقت کو بھول جاؤ، یار میرے ساتھ لاہور گھومو خوب انجوائے کرو۔" وہ اس کی باتوں کو بہت ایزی لے رہا تھا۔

"میں کہیں نہیں جارہی اور مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے ساتھ انجوائے منٹ کا۔" وہ تو سرے سے انکاری تھی۔

"تم ہوش میں تو ہو مس ذیشانہ حسن علی۔" اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں تھا۔

"جی ہاں ہوش میں تو اب آئی ہوں مسٹر شاہ زر علی خان۔ آخر آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ شطرنج کا ایک مہرہ جسے جہاں اور جب چاہا استعمال کرلیا۔" وہ شیرنی کی طرح دہاڑی۔

''ذیشانہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے آئی لو یو۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامتا ہوا اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''لفظ محبت کے معنی جانتے ہیں آپ۔ یہ تو ایک مقدس اور پاکیزہ جذبہ ہے اور اس مقدس لفظ پر آپ کی ذات تو ایک سیاہ دھبے کی مانند ہے جسے جتنا دھویا جائے اس کا داغ نہیں مٹ سکتا۔'' وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بھاڑ میں جاؤ۔'' علی پیر پٹختا باہر چلا گیا۔ سب نے ذیشانہ کے بارے میں سوال کیا تو علی نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اس کے سر میں درد ہے۔'' عارف نے علی کی طرف دیکھا اور شرارت سے بولا۔'' لگتا ہے کشمیر کے محاذ پر پھر جھڑپیں ہوئی ہیں۔''

'' بکواس نہ کرو۔'' علی گاڑی اسٹارٹ کرتے بولا۔

ایک ہفتہ لاہور گزار کر جب یہ لوگ کراچی واپس آئے تو شیروان کی منگنی کی ڈیٹ فکس کر کے آئے تھے۔ شاہ نیل اپنی پڑھائی کے لیے اسلام آباد روانہ ہو گیا تھا اور روٹین لائف شروع ہو چکی تھی۔ ہر کوئی اپنی جگہ مصروف تھا۔ دونوں بھائی آغا جان کے کمرے میں موجود تھے جب احمد یار علی خان نے علی اور ذیشانہ کی شادی کی بات چھیڑی۔'' آغا جان کیوں نہ شیری کی منگنی کے دوسرے دن ہم علی کی بھی رخصتی کر دیں۔ ان کی تجویز پر آغا جان تو کھل اٹھے گویا دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔

''کیوں حسن بیٹا ٹھیک ہے۔'' بی بی جان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''اب ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' حسن علی خان بے زار لگ رہے تھے۔

☆☆

''کیا ہو رہا ہے بھابھی جانی؟'' فلک ذیشانہ کے کمرے میں آ کر شرارت سے بولی۔

''کیا بکواس ہے۔'' وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

'' بکواس کی بچی، میں تمہارے لیے ایک خوش خبری لائی ہوں شام کو علی بھائی اور تمہاری رخصتی کی ڈیٹ فکس کی جا رہی ہے اور پروگرام کچھ یوں ہے کہ شیری بھائی کی منگنی کے دوسرے روز مس ذیشانہ پیا دیس سدھار جائیں گی۔''

''فلک پلیز چپ ہو جاؤ۔'' وہ چیخ پڑی۔

''ذیشانہ کیا بات ہے تم پریشان ہو؟'' فلک نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''فلک تم اپنے بھائی سے جا کر کہہ دو کہ ذیشانہ حسن اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''ذیشانہ تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟'' فلک نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''ہاں مجھے پتا ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اس نے جو گیم شروع کیا تھا اس کا وہ گیم فلاپ ہو گیا ہے اور ضروری نہیں کہ جیت اسی کی ہو۔ تمہارا بھائی چالاک اور شاطر ہے اور مجھے شاطر لوگوں سے سخت نفرت ہے۔ تم میرا فیصلہ باقی سب کو بھی سنا سکتی ہو۔'' ذیشانہ نے بات ختم کر کے کپڑے الماری میں رکھنے شروع کر دیئے۔ فلک نے اس کے لاپرواہ انداز کو دیکھا اور چپ چاپ کمرے سے باہر چلی گئی۔ دو موتی ذیشانہ کی آنکھوں سے ٹپکے اور کارپٹ پر رکھے کپڑوں میں جذب ہو گئے۔ اس کے بغیر جی سکو گی ذیشانہ حسن؟ دل نے سرگوشی کی۔ اسے اپنی انسلٹ اور بے بسی کے احساس نے شدت سے رلا دیا۔ جس شخص کو اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا وہ ایک دھوکا اور سراب نکلا۔ جس کے دل میں اپنے باپ کی محبت اور آغا جان سے انتقام کے علاوہ کوئی اور جذبہ جگہ حاصل نہ کر سکا۔

فلک اپنے کمرے میں بیٹھی بہت پریشان تھی۔ بھائی کی خوشی تو ذیشانہ تھی کیا وہ اس کے بغیر جی سکے گا۔ عارف تو علی کے بارے میں اسے بہت کچھ بتا چکا تھا کہ وہ کس طرح ذیشانہ کو چاہتا ہے۔ جوں جوں سوچتی دماغ زیادہ الجھ جاتا۔ میں کس طرح علی بھائی کو بتاؤں؟ اف میرے خدا اس نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا پھر اسے عارف کا خیال آیا تو وہ نمبر ڈائل کرنے لگی اور پھر تمام صورت حال اسے بتا دی۔

''پلیز عارف! کچھ کریں۔ آج رات ڈیٹ فکس ہونی ہے اور میں یہ نہیں چاہتی کہ بات بڑوں تک جائے۔''

''فلکی! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عارف نے فلک کو تسلی دی اور فون رکھ دیا۔ عارف نے فون پر علی کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ ساری بات سن کر تو علی کا دماغ کھول اٹھا۔ وہ تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتا گھر پہنچا اور سیدھا ذیشانہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ایک ٹک چھت کو تکے جا رہی تھی۔ چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔

''یہ سب کیا تماشا ہے ذیشانہ حسن؟'' وہ اس کے سر پر آ کر چیخا۔

''مسٹر علی! اپنی آواز آہستہ رکھیں۔ یہ میرا بیڈ روم ہے۔ آپ کے باپ کا منسٹر ہاؤس نہیں، جہاں آپ ہر کسی کو ایک لائن

Scanned with CamScanner

میں کھڑا کر کے اپنا یہ شوق پورا کرتے ہیں۔"

"ذیشانہ تم حد سے بڑھ رہی ہو اگر اب کوئی بکواس کی تو بالکل لحاظ نہیں کروں گا۔" برداشت سے اس کا چہرہ سرخ انگارا ہو رہا تھا۔

"حد سے تو آپ گزر رہے ہیں مسٹر علی' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کسی کے کمرے میں جاتے ہیں تو ناک کر کے جاتے ہیں۔"

"محترمہ مجھے آپ کے کمرے میں آنے کے تمام حقوق حاصل ہیں۔" علی خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں تھا۔

"زبردستی کسی کے حقوق اپنے نام کروا کے کوئی کسی کا مالک نہیں بن سکتا۔" ذیشانہ تو بھری ہوئی تھی۔

"پلیز ذیشانہ! سوچو آخر لوگ کیا کہیں گے۔" علی اسے قائل کرنے کی کوشش میں تھا۔

"آپ کو کب سے لوگوں کی پرواہ ہونے لگی مسٹر علی' جب آپ سب لوگوں کے سامنے اپنی زبردستی کی داستان بڑے فخر سے بیان کر رہے تھے اس وقت سوچا آپ نے کہ لوگ اس لڑکی کے بارے میں کیا سوچیں گے یا وہ لڑکی جس کا باپ' بھائی یہ سب اس شخص کی زبانی سنیں گے جس نے ان کی غیرت کو نیلام کیا ہو' ان کے دلوں پر کیا بیتی ہوگی۔ کیا وہ اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا سکے گی اس نے تو اپنے تمام جذبے اس شخص کے نام کر دیئے تھے وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جھوٹا فریبی دغا باز صرف اپنے باپ کا انتقام لے رہا ہے۔"

"ذیشانہ بولتے بولتے ہانپ گئی۔

"پلیز ذیشانہ تم کیوں اتنی بدگمان ہو رہی ہو میں نے تو یہ سب تمہاری محبت میں کیا ہے۔ میری سچائی کا گواہ عارف ہے' تم اس سے پوچھ سکتی ہو۔" علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اسے یقین دلائے۔

"آپ کو جو کہنا تھا کہہ چکے' اب آپ جا سکتے ہیں۔" وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔

علی لڑکھڑاتے قدموں سے باہر چلا گیا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس نے زندگی کی بازی ہار دی۔ اس کے جاتے ہی ذیشانہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر شدت سے رو دی۔ تو ذیشانہ حسن آج تم نے اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔

رات کو محفل آغا جان کے کمرے میں جمی ہوئی تھی۔ آغا جان نے رخصتی کی بات چھیڑی تو علی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"کیوں صاحبزادے کیا خیال ہے؟" احمد یار علی خان نے مسکرا کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

"بابا! اتنی جلدی نہ کریں۔ ابھی ذیشانہ پڑھ رہی ہے خوامخواہ اسے ڈسٹرب نہ کریں۔ شیروان کی منگنی ہو جائے پھر دیکھا جائے گا۔" بات ختم کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے چلا گیا۔

احمد یار علی خان گاہے بگاہے رخصتی کے لیے اس پر زور دیتے رہے مگر وہ کمال خوب صورتی سے بات ٹال دیتا۔ اس نے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا گھر میں بہت کم نظر آتا۔ آج بھی وہ کافی دیر سے واپس گھر لوٹا تو بابا اس کے کمرے میں موجود تھے۔

"بابا! آپ اس وقت میرے کمرے میں؟" بابا کو سلام کرنے کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔" احمد یار علی خان صوفے پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"بابا اس وقت ٹائم دیکھ رہے ہیں آپ رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے اور آپ کے لیے اتنی دیر جاگنا اچھا نہیں' کہیں طبیعت خراب نہ ہو جائے آپ کی۔" وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے بولا۔

"علی بیٹا! مجھے پریشان مت کرو۔ کیوں اپنی جان پر ظلم کر رہے ہو' اپنی شکل دیکھی ہے آئینے میں' برسوں کے بیمار لگ رہے ہو' آخر کیا ضرورت ہے اتنی مشقت کرنے کی۔ تم نے تو اپنے آپ کو مشین بنا لیا ہے بھلا یہ ٹائم ہے گھر آنے کا۔" بابا نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

"بس بابا کام بڑھ گیا ہے۔ آپ بتائیں ایسی کیا بات ہے؟" اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے سر صوفے کی پشت پر ٹکا دیا۔

"علی بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم کسی پریشانی میں مبتلا ہو' پگلے جھوٹے بہانے گھڑ کے تم مجھے نہیں بہلا سکتے' جان پدر اپنا دکھ شیئر کر لو۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ کتنی دیر ان کی گود میں منہ چھپائے لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ آنکھیں مرچوں سے بھر گئی تھیں۔ شدید جلن کا احساس اسے آنکھیں موندنے پر مجبور کر رہا تھا۔ احمد یار علی خان خاموشی سے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔ کتنا ٹائم یوں ہی گزر گیا۔

"بابا ذیشانہ نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" لہجے کی ٹوٹ پھوٹ اس کے اندرونی کرب کی غماز

Scanned with CamScanner

تھی۔'' بابا میں نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ میری نیت تو بالکل صاف تھی پھر مجھے کیوں سزا دی جارہی ہے' بے شک یہ سب کچھ میں نے آپ کی محبت میں کیا ہے مگر اس میں میری چاہت بھی شامل تھی۔'' علی بہت اپ سیٹ تھا۔ بابا اسے تھام کر بیڈ پر لے آئے اور کتنی دیر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے تسلیاں دیتے دیتے خود بھی آزردہ ہوگئے اور پھر علی کے ساتھ ہی اس کے بیڈ پر لیٹ گئے اور اسے یوں بانہوں کے گھیرے میں لے لیا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو۔

پھر احمد یار علی خان نے ساری بات آغا جان کے سامنے بیان کردی تو وہ بھی پریشان ہوگئے۔ گھر میں گہرا سکوت طاری تھا۔

☆☆

ابھی ابھی نوکر نے آغا جان کا پیغام دیا تھا۔

''علی صاحب آپ کو بڑے صاحب یاد کررہے ہیں۔''

''اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔''

''السلام علیکم آغا جان۔'' وہ ان کے کمرے میں آیا تو احمد یار علی خان اور حسن علی خان پہلے سے وہاں موجود تھے۔

''شاہو بیٹا کیا بات ہے بہت کم نظر آتے ہو؟'' آغا جان نے جگہ بناتے ہوئے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

''بس آغا جان' کام بڑھ گیا ہے۔ اس لیے آفس کو زیادہ ٹائم دینا پڑتا ہے۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔ علی نے دیکھا اس کے آنے سے حسن علی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔

''بیٹا حسن! شیری کی منگنی میں دو دن باقی ہیں۔'' اب تم ذیشانہ بیٹی کی رخصتی کی تاریخ بھی طے کردو۔'' وقار علی خان نے مسکرا کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

''آغا جان! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذیشانہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔''

''تو حسن بیٹا تم ہی ذیشانہ بیٹی سے بات کرو۔'' آغا جان نے پرامید نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''آغا جان! میں اب تک اس لیے خاموش تھا کہ شاید ذیشانہ کی خوشی اسی میں ہے۔ وہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے۔ اپنا اچھا برا خوب جانتی ہے۔ میں نے جس طرح اپنی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھا ہے' میں اس پر جبر نہیں کرسکتا۔ اسے اپنے ذاتی مفاد کے لیے زینے کے طور پر استعمال کرنا سراسر اس کی توہین ہے۔ آخر اس سارے قصے میں اس کا کیا قصور ہے۔ اسے کیوں سزا ملے' میں آپ کی ہر بات مانتا آیا صرف اس لیے کہ بھائی جان کی طرف سے کی گئی زیادتیوں کا کفارہ ادا کرسکوں۔ آئی ایم ویری سوری آغا جان' یہ میری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔ میں اس پر جبر نہیں کرسکتا۔ وہ جو بھی فیصلہ کرے گی وہ ہمیں قبول کرنا ہوگا۔ آپ عالی کا وقت یاد کریں نکاح کی خبر سن کر آپ کس طرح ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گئے تھے' میں بھی ایک بیٹی کا باپ ہوں اور بے غیرت نہیں ہوں۔'' حسن علی خان نے دوٹوک فیصلہ سنادیا۔ علی کا چہرہ شدت جذبات سے پہلے سرخ ہوا اور پھر سارے چہرے پر دھواں سا بکھر گیا۔

''چچا جان میں اپنے کیے کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ اگر آپ کو میری سچائی پر یقین نہ آئے تو آپ عارف سے اس کی تصدیق کرسکتے ہیں۔'' علی تو شرم کے مارے نظریں نہیں اٹھا سکا۔

''صاحبزادے! کوئی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تم اپنے منہ سے خود سچ بیان کرگئے۔ کیا اب بھی کسی کی گواہی کی ضرورت باقی ہے۔'' حسن علی خان تو کسی طور راضی نہ ہورہے تھے۔ وقار علی خان اور احمد یار علی خان نے مایوسی سے ان کی طرف دیکھا۔ علی اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

ان لوگوں کو ادھر آئے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہونے کو آیا تھا۔ علی آفس سے واپس لوٹا تو سیدھا احمد یار علی خان کے کمرے میں چلا آیا۔

''بابا! پلیز گھر چلیں' بہت دن رہ لیے۔ فلک بھی کہہ رہی تھی واپسی کے لیے۔ اماں بھی ادھر پریشان ہیں۔''

''علی بیٹا! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آغا جان نہیں مانیں گے۔ میں انہیں مزید دکھ نہیں دے سکتا۔'' احمد یار علی خان نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''بابا! میں بزنس کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے ہانگ کانگ جارہا ہوں۔''

''یوں اچانک تم نے پہلے تو نہیں بتایا۔'' انہوں نے حیرانی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''بس بابا اس کمپنی سے آج ڈیل ہوئی ہے۔'' وہ نظریں چرا گیا۔ جھوٹ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو نہیں بولا جاسکتا بس اس نے اس گھڑی اس گھر سے جانے کا فیصلہ کرلیا حالانکہ یہ سب اس کے لیے بہت مشکل تھا مگر وہ اس گھر کے مکینوں کی بیگانگی مزید برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

''کب جارہے ہو؟'' بابا کی آواز اسے خیالات کی دنیا

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

سے نکال لائی۔
''کل یا پرسوں کی فلائٹ سے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔
ذیشانہ اور فلک کمرے میں موجود تھیں مگر دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تمام الفاظ کہیں کھو گئے ہوں۔ اس گہرے سکوت کو فلک کی آواز نے توڑا۔
''ذیشانہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنی ظالم بن جاؤ گی۔ میرے بھائی کے لبوں نے تمہیں دیکھ کر مسکرانا سیکھا تھا اور تم نے بڑی بے دردی سے اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ نوچ لی۔ ذیشانہ حسن خان! آج خوش ہو جاؤ کہ میرا بھائی یہ گھر چھوڑ کے جا رہا ہے۔ کتنے خوش فہم تھے ہم لوگ کہ اپنوں میں آ کر اپنے تمام دکھ پریشانیاں بھول گئے' مگر یہ پاگل من یہ نہیں جانتا تھا کہ ابھی اپنوں نے اسے مزید چرکے لگانے ہیں۔ میرے بھائی کی تباہی کی ذمے دار تم ہو ذیشانہ حسن' میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی کبھی نہیں۔'' وہ روتی ہوئی کمرے سے باہر بھاگ گئی۔
تو شاہ زر علی خان تم نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ہاں تمہیں یہاں سے چلے ہی جانا چاہیے' تمہاری پری تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ کاش علی تم ایک بار اپنا حق جتلا کر ذیشانہ حسن کو منانے کی کوشش تو کرتے چاہے اسے ڈانٹ ہی دیتے' کچھ تو کہتے تمہاری یہ چپ کی مار ذیشانہ حسن خان کو مار دے گی۔ مگر تم ایسا کیوں کرتے' تمہارے باپ نے اپنا مقام حاصل کر لیا۔ تمہارے اور تمہاری پری کے درمیان میں آ گئی تھی اور اب یہ دیوار تمہارے بغیر کہے ہٹ گئی ہے۔ تم کیوں اسے درمیان میں لانے کی کوشش کرو گے۔ شاہ زر علی خان خدا کرے تمہاری محبت تمہیں مل جائے تم اس کے ساتھ زندگی کی کئی بہاریں دیکھو۔ ذیشانہ حسن کا کیا ہے وہ جیسے تیسے زندگی گزار دے گی۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے' شاہ زر علی خان۔''
اس نے سر اٹھایا تو چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔
آج شام کی فلائٹ سے علی کی روانگی تھی۔ اماں' بابا' فلک' شیری' آغا جان' سمیرا چچی سب اداس تھے۔ ایک حسن علی خان کی ذات پر سکون لگ رہی تھی۔ پورا دن تیاری میں گزر گیا۔ وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔ سب سے ملا' شیری اسے ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ جب ذیشانہ کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگا تو دل اس دشمن جان کی ایک جھلک دیکھنے کو مچل گیا اور قدم بے اختیار اندر کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ دروازے کی آواز پر چونکی تو نظریں اپنے سامنے کھڑے علی کی نظروں سے جا ٹکرائیں' جہاں ہزاروں شکوے مچل رہے تھے' وہ نظریں چرا گئی۔
''اچھا ذیشانہ حسن! اللہ حافظ' میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں کیونکہ میں تمہاری اور حسن چچا کی بے رخی برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔'' اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہو گیا جسے اس نے کمال ضبط سے اپنے اندر اتار لیا۔ وہ بات کر کے واپسی کے لیے مڑا تو ذیشانہ حسن خان کے لب ہلے مگر آواز نہ نکل سکی۔ وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔ راستے میں شیری کو ایک ایمرجنسی کال موصول ہوئی۔
''یار علی' اب کیا کریں۔'' شیروان نے علی کی طرف دیکھا۔
''نو پرابلم شیری' تم مجھے آفس چھوڑ دو۔ میں وہاں سے گاڑی لے کر ایئرپورٹ چلا جاؤں گا۔'' علی نے اسے حل بتایا۔
''مگر یار تمہیں دیر نہ ہو جائے۔''
''نہیں شیری دیر نہیں ہو گی۔ ویسے بھی مجھے آفس سے کچھ ضروری ڈاکومنٹس لینے ہیں۔'' شیروان اسے آفس کے سامنے ڈراپ کر کے چلا گیا تو وہ اپنی گاڑی لے کر اپنے کراچی والے گھر میں چلا آیا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے نوکر سے ایک پیالی چائے کا کہا اور خود اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لی تو دماغ کو کچھ سکون ملا اور پھر نیند کی مہربان پری نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔
دوسری صبح اس نے ناشتہ نہیں کیا' اسے بھوک کا احساس ہوا تو وہ آفس سے گھر چلا آیا' وہ اکثر لنچ گھر پر کرنے کا عادی تھا' باہر کی چیزیں اسے پسند نہیں تھی۔ وہ کھانے کی میز پر آیا تو ایک دم بابا کا خیال آیا وہ تو میرے فون کے منتظر ہوں گے وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گیا۔ اس نے بابا کے موبائل کے نمبر پریس کیے مگر ان کا فون آف تھا۔ گھر کے نمبر پر رابطہ کیا تو فون ذیشانہ نے ریسیو کیا۔
''بابا کدھر ہیں؟'' اس نے مختصر بات کی۔
''آغا جان کے پاس ہیں۔'' ذیشانہ کی آواز بہت بھاری تھی یوں لگ رہا تھا جیسے بہت دیر روئی ہو' دل کو کچھ ہونے لگا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔
''میں ہولڈ کرتا ہوں۔ پلیز انہیں بلا دیں۔'' ذیشانہ نے حسرت بھری نگاہ فون پر ڈالی اور تایا ابو کو بتانے چلی گئی۔
بابا فوراً ہی فون سننے آ گئے تھے۔ وہ ان سے بات کرنے لگا۔ ''جی بابا میں خیریت سے پہنچ گیا تھا۔ بس مصروفیت کی وجہ سے فون نہ کر سکا۔ جی بابا بالکل ٹھیک ہوں' آپ فکر نہ کریں۔

Scanned with CamScanner

بابا! اپنا خیال رکھیے گا میری طرف سے اماں کو بہت سلام۔ میں پھر فون کروں گا اللہ حافظ۔"

علی کو گئے ہوئے تقریباً دو ہفتے ہوگئے تھے۔ اس دن حسن علی خان آفس سے لوٹے تو بہت پریشان تھے۔ آغا جان نے پوچھا تو ٹال گئے۔ احمد یار علی خان کی نظروں سے بھی بھائی کی پریشانی چھپی نہ رہی۔ رات کو وہ خود ان کے بیڈ روم میں چلے آئے۔ وہ فائلوں کا ڈھیر لگائے مصروف تھے۔ آہٹ پر سر اٹھایا تو بھائی کو سامنے پاکر احتراماً کھڑے ہوگئے۔

"حسن! بیٹھو کیا بات ہے تم پریشان ہو؟" انہوں نے تشویش سے بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے۔

"بھائی جان! بزنس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ کروڑوں کا گھپلا ہوا ہے۔ سارا ریکارڈ چیک کرچکا ہوں مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا۔" پھر وہ انہیں تفصیل بتانے لگے۔

"دیکھو حسن آغا جان سے ذکر نہ کرنا پریشان ہو جائیں گے ویسے بھی آج کل وہ بہت ڈپریس ہیں۔"

"جی بھائی مجھے پتا ہے اس لیے تو آغا جان کو کچھ نہیں بتایا۔"

"حسن! تم فکر نہ کرو خدا سب بہتر کرے گا۔" وہ بھائی کو تسلی دیتے باہر چلے گئے۔

رات کو علی کا فون آیا تو احمد یار علی خان نے اسے حسن علی خان کے بزنس کے بارے میں بتا دیا۔

"علی بیٹا! تم جلد گھر آؤ یہاں سب پریشان ہیں۔"

"بابا میں ابھی نہیں آسکتا۔"

"علی! مجھ سے اپنے بھائی کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ میرے اکاؤنٹ میں جتنا پیسہ ہے وہ میں اسے دینا چاہتا ہوں۔" احمد یار علی بہت پریشان لگ رہے تھے۔

"بالکل بابا آپ حسن چاچا کو اپنا پیسہ دیں اگر ضرورت پڑے تو میرے اکاؤنٹ سے نکلوالیں۔"

"تھینکس علی! تم نے میرا مان برقرار رکھا۔" احمد یار علی خان نے بیٹے کو سراہا۔

حسن علی خان آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے جب عارف ناک کر کے اندر چلا آیا۔ علی نے عارف کو تمام حالات سے آگاہ کردیا تھا۔

"ماموں! مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔" وہ صوفے پر ٹک گیا۔

"ہاں بیٹا جو بات کرنی ہے کرو۔" حسن علی خان نے اس کی طرف دیکھا۔

"ماموں! میں علی کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بات شروع کی۔

"اچھا تو اس نے تمہیں سفارش کے لیے بھیج دیا۔" حسن علی خان ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے اپنے بال بنا رہے تھے۔

"قسم سے اسے تو میرے یہاں آنے کا پتا نہیں ہے۔ میں قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا سکتا ہوں کہ علی کی نیت صاف تھی اگر اس کی نیت بری ہوتی تو وہ نکاح کے بعد ذیشانہ کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ ماموں اس پیارے شخص کے دل میں اس گھر کے ہر فرد کے لیے احترام اور محبت رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ وہ وقتی طور پر آغا جان سے خفا تھا مگر آج تک اس نے ان کے لیے بھی کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالی جس سے ان کی شان میں کوئی گستاخی ہوئی ہو۔ میں تو اسے شروع سے جانتا ہوں۔ وہ جس طرح آپ لوگوں کا ذکر کرتا تھا مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی کہ کوئی اس طرح بھی کسی سے پیار کرسکتا ہے۔" عارف نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

"مگر عارف بیٹا اس نے جس سوچ پر ذیشانہ سے نکاح کیا ہے کیا وہ احترام کے زمرے میں آتا ہے۔"

"پلیز ماموں غلطی انسان سے ہوتی ہے کبھی غصے میں وہ غلط سوچ جاتا ہے اگر علی کے دل میں کوئی بے ایمانی ہوتی تو وہ کبھی بھی سب کے سامنے یہ باتیں نہ کرتا۔" عارف انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اچھا عارف بیٹا مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے پھر بات ہوگی۔" حسن علی خان جلدی میں لگ رہے تھے۔ ناشتے کے بعد عارف احمد یار علی خان کے پاس آ بیٹھا۔

"ماموں! علی کب آ رہا ہے؟" عارف کے سوال پر وہ ہنس دیئے۔ "عارف مجھ سے زیادہ قریب تو تم ہو اس کے پھر یہ سوال مجھ سے کیوں؟"

"ماموں! جس دن وہ ہانگ کانگ جا رہا تھا فون پر اس کی اور میری لڑائی ہوگئی تھی۔ بس ایک دو دفعہ بات ہوئی ہے۔ وہ بھی بہت مختصر۔" عارف کو بات بنانی پڑی۔

"رات اس کا فون آیا تھا۔ میں نے تو بہت کہا مگر صاحبزادے ابھی آنے کے موڈ میں نہیں لگ رہے تھے۔ میں تو حسن کی وجہ سے پریشان ہوں۔" احمد یار علی خان واقعی پریشان لگ رہے تھے۔ پھر اسی ٹاپک پر کافی دیر بات ہوتی رہی۔

"میرے خیال میں چھوٹے ماموں کو آغا جان سے بات کر کے ان سے پیسے لینے چاہئیں۔"

"نہیں بیٹا! آغا جان کو کسی بات کا پتا نہیں ہے تم بھی کوئی ذکر نہ کرنا میں نے علی سے بات کرلی ہے۔ بس تم کل میرے ساتھ چل کر بینک سے رقم نکلوالو۔" احمد یار علی خان عارف کی طرف دیکھ کر مسکرادیے۔ شاید کسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ کافی پرسکون لگ رہے تھے۔

وقار علی خان کو حسن علی خان کے بارے میں پتا چلا تو ان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی وہ تو ذیشانہ اور علی کے معاملے میں بہت پریشان تھے۔ پریشان سوچوں نے دماغ کو ماؤف کردیا تھا۔ بی پی لو ہونے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئے۔ حسن علی خان نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا اور خود آغا جان کو لے کر گاڑی کی طرف بڑھے۔

"پاپا! میں بھی چلوں گی۔" ذیشانہ آنکھوں میں آنسو لیے کھڑی تھی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ آغا جان کو شیروان کے کلینک لے آئے۔ کافی دیر ادھر گزر گئی۔

"پپا! پریشان نہ ہوں بس بی پی لو ہوجانے سے بے ہوش ہوگئے۔ آپ اگر ادھر نہ بھی آتے تو ضرورت نہیں تھی۔ تایا ابو تو گھر پر تھے وہ دیکھ لیتے۔" شیروان انہیں تسلی دے رہا تھا۔

"بس بیٹا! پریشانی سے ہمارے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بھائی جان تو خود بے ہوش ہوتے ہوتے بچے ہیں۔"

"اچھا بابا! آپ لوگ گھر جائیں میں ادھر ہوں نا آغا جان کے پاس۔" دونوں باپ بیٹی اسپتال سے باہر آگئے۔ ٹریفک سگنل پر ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ حسن علی خان نے سامنے دیکھا، سامنے والی گاڑی میں علی موجود تھا۔ "علی اور یہاں؟" ان کے ہونٹ وا ہوئے ذیشانہ نے بھی دیکھا۔ سامنے وہ علی تو نہیں تھا، یہ تو کوئی اجڑا ہوا شخص تھا۔ علی کی نظر بھی ان پر پڑی۔ اس نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔ حسن علی خان اسے آواز دینا چاہتے تھے مگر سگنل کھل گیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ دونوں باپ بیٹی گھر آئے تو دونوں کے دماغ علی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ذیشانہ تو اپنے بیڈ پر جاکر شدتوں سے رودی۔ کب سے فون کی بیل ہورہی تھی مگر کوئی فون ریسیو نہیں کررہا تھا۔ حسن علی خان نے فون اٹھایا تو احمد یار علی خان بھی اپنے کمرے میں رکھا سیٹ اٹھا چکے تھے۔

"السلام علیکم بابا۔" فون پر علی تھا۔ حسن علی خان خاموشی سے ریسیور کان سے لگائے کھڑے تھے۔

"کیسے ہو جان پدر؟" احمد یار علی خان کی آواز میں تڑپ تھی۔

"بابا! میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سنائیں، کیا حال ہے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آغا جان کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں بیٹا، تم کہاں سے بات کررہے ہو؟" احمد یار علی خان کے سوال پر ایک لمحے کے لیے تو چپ ہوگیا پھر بات بدل دی۔

"بابا! حسن چچا کیسے ہیں؟ ان کا مسئلہ حل ہوا کہ نہیں؟"

"بیٹا میرے اکاؤنٹ میں جتنے پیسے تھے وہ میں نکلوا چکا ہوں۔ آج وہ حسن کو دے دوں گا۔"

"بابا! میری چیک بک آپ کے بیڈ کی دراز میں پڑی ہے، جتنا پیسہ درکار ہو وہ نکلوالیں۔"

"مگر تمہارے سگنیچر۔"

"بابا میرے سگنیچر اس پر ہیں۔ بس آپ رقم لکھ دیجیے گا۔" علی آہستہ آہستہ تمام تفصیل بتا رہا تھا۔

"علی بیٹا! تم تو میرا فخر، میرا مان، میرا سب کچھ ہو، تمہیں ایسا ہی ہونا چاہیے۔" احمد یار علی خان جذباتی ہونے لگے۔

"بابا! آپ آغا جان، میں، حسن چچا، سب ایک ہی تو ہیں اگر ہم ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو کون ہمارے پرابلمز حل کرے گا۔"

"علی بیٹا! آغا جان کی طبیعت خراب ہے پلیز جلد گھر آجاؤ۔" بابا کے لہجے میں التجا تھی۔

"کیا ہوا آغا جان کو بابا۔" علی پریشان ہوگیا۔

"اب کچھ بہتر ہیں، شیری کے کلینک میں ہیں حسن اور ذیشانہ لے کر گئے تھے۔"

"بابا پلیز آپ خفا مت ہوئیے گا۔ میں ابھی نہیں آسکتا حسن چچا کی نگاہیں مجھے ذلتوں کے پاتال میں اتار دیتی ہیں۔ میں ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ میں واقعی ان کا مجرم ہوں۔ جہاں اتنا وقت اپنوں سے دور رہ کر گزار دیا ہے، زندگی کے باقی دن بھی کٹ جائیں گے۔ بس میری تو دعا ہے کہ خدا اس گھرانے کو ہمیشہ خوشیاں دے آمین۔ میں یہ سوچ کر خوش ہوجاتا ہوں کہ میرے بابا تو اپنوں کے درمیان ہیں۔" علی کی آواز رندھ گئی۔

"علی پلیز، آجاؤ، بیٹا میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔" احمد یار علی خان اپنے آنسو صاف کرنے لگے۔ آنسو تو حسن علی خان کا چہرہ بھی بھگو رہے تھے۔

"بابا! میں وعدہ تو نہیں کرتا کوشش کروں گا آنے کی اور ہاں میرے اکاؤنٹ سے رقم یاد سے نکلوا لیجیے گا اور بابا آپ

Digest Novels Lovers Group

حسن چچا سے کچھ نہیں کہیں گے۔ ورنہ وہ سوچیں گے کہ شاید یہ بھی میری کوئی چال ہے۔ آغا جان کو میری طرف سے پوچھیے گا۔ اماں اور فلک کو بہت سلام۔ باقی گھر والوں کو سلام' اللہ حافظ۔'' فون بند ہو چکا مگر حسن علی خان کی سوچوں کے در کھول گیا تھا۔ میں علی کو کتنا غلط سمجھا وہ بار بار اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔

ذیشانہ اپنے کمرے میں سوچتے سوچتے تھک گئی تھی' میرے خدا' علی یہاں پر ہے اور ہم سمجھ رہے ہیں کہ وہ باہر ہے۔ اس نے صرف پپا کے لیے گھر چھوڑا ہے۔ میرے مالک! اب کیا ہوگا؟ میں کس طرح پاپا سے بات کروں؟'' وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

آغا جان شیروان کے ساتھ گھر آچکے تھے۔ کافی دیر سب لوگ ان کے پاس رہے۔ احمد یار علی خان حسن علی خان کے کمرے میں آئے تو سمیرا بیگم کمرے میں موجود تھیں۔ البتہ حسن علی خان نظر نہیں آ رہے تھے۔

''حسن کدھر ہے؟'' انہوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

''وہ واش روم میں ہیں' بھائی آپ بیٹھیں۔'' کچھ دیر بعد حسن علی خان آگئے۔

''بھائی جان! آپ نے کیوں زحمت کی' مجھے بلوا لیتے۔''

''کیوں حسن' میں تمہارے کمرے میں نہیں آسکتا؟'' وہ ہنس دیے۔ ''حسن یہ لو تم اپنا نقصان پورا کرو' اگر اور رقم کی ضرورت ہو تو بتا دو۔'' وہ بڑے پیار سے بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بھائی جان! اتنے پیسے۔'' وہ شرمندہ ہو گئے۔

''حسن! کیا تم اور میں ایک نہیں۔ پھر غیریت کیوں برت رہے ہو' بس اب ریلیکس ہو جاؤ۔ ہر فکر' پریشانی' اپنے دماغ سے نکال کر سکون سے سو جاؤ۔'' وہ انہیں اپنے ساتھ یوں لپٹائے کھڑے تھے جیسے اپنے ہونے کا یقین دلا رہے ہوں۔

حسن علی خان کا مسئلہ حل ہوا تو گھر کی فضا کچھ خوشگوار ہو گئی۔

اس ویک اینڈ پر شاہ نیل چلا آیا تو اس کے دم سے ایک دم رونق ہو گئی۔ اس کی باتوں سے فلک اور ذیشانہ ریلیکس ہو گئیں۔ ذیشانہ آج بڑے دنوں بعد یوں ہنسی تھی۔ آغا جان کے علاوہ سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے جب سر جھکائے علی چلا آیا۔ ہر چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''ذیشانہ آپی! بھائی واقعی لکی ہیں انہیں دیکھ کر آپ کے چہرے پر پانچ سو واٹ کا بلب روشن ہو گیا ہے۔'' شاہ نیل نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ احمد یار علی خان کی طرف بڑھا۔

''علی بیٹا! یہ تم ہو نا؟'' وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ ''میری تو آنکھیں ترس گئی ہیں تجھے دیکھنے کے لیے۔'' انہوں نے اس کے بے شمار بوسے لے ڈالے۔ وہ حسن علی خان سے ملا تو وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔

''پلیز چچا' یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔'' اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر سب لوگوں سے مل کر احمد یار علی خان اور حسن علی کے درمیان صوفے پر بیٹھ گیا۔ ذیشانہ نجانے کب کھسک گئی تھی۔ اس دشمن جان کی تو ایک جھلک دکھائی دی تھی۔ وہ ہنستی ہوئی کتنی خوب صورتی سے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی تھی۔ دل تو آج بھی اس کے نام پر دھڑکتا تھا۔ آغا جان نے اس کا سنا تو خود چل کر ٹی وی لاؤنج میں آگئے۔

''آغا جان میں آ رہا تھا آپ کے پاس۔'' اس نے بڑھ کر آغا جان کو تھاما۔

''کیوں برخوردار' کیا میری ٹانگیں کرائے کی ہیں جو کسی کو بھیج کر منگوانا پڑیں۔'' آغا جان زندہ دلی سے بولے تو بڑے عرصے بعد حسن ولا میں زندگی سے بھرپور قہقہے گونج اٹھے۔ علی کے آنے سے یوں لگ رہا تھا جیسے گھر میں بہاروں کے قافلے اتر آئے ہوں۔

اس دن علی آفس سے گھر آیا تو حسن علی خان اس کے کمرے میں چلے آئے۔

''علی بیٹا! آئی ایم سوری میں تمہیں غلط سمجھا۔'' وہ بہت شرمندہ لگ رہے تھے۔

''بس چچا جان' سب بھول جائیں' جو ہونا تھا وہ ہوا۔ پلیز آپ مجھے بھی معاف کر دیں۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ دونوں کتنی دیر باتیں کرتے رہے۔ چہرے دمک رہے تھے جب غلط فہمیوں کے پردے ہٹ جائیں تو پھر سچی خوشیوں کے عکس یوں ہی چہروں کو چمک عطا کرتے ہیں۔

ذیشانہ نے کئی بار علی سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کا رویہ اس کے بڑھتے قدم روک دیتا۔ وہ اسے دیکھ کر یوں نظر انداز کر دیتا جیسے اس گھر میں اس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو۔ وقار علی خان نے بیٹوں کو ایک بار پھر علی کی شادی کے بارے میں کہا تو دونوں خوش ہو گئے البتہ حسن علی خان نے کہا کہ ذیشانہ کو

Scanned with CamScanner

اعتراض نہ ہوا انہیں اب بھی بیٹی کا خیال تھا۔

فلک اور ذیشانہ بی اے کر کے فارغ تھیں۔ دونوں کا زیادہ وقت کچن میں گزرتا تھا بی جان کا کہنا تھا کہ لاکھ نوکر ہوں مگر گھر عورت کے اپنے ہاتھ سے سنورتا ہے۔ ذیشانہ تو شروع سے کام کی عادی تھی۔ فلک کو بھی سب کرنا آتا تھا مگر دونوں بوریت دور کرنے کے لیے کچن میں گھسی نئی نئی ڈشیں تیار کرتیں۔ اس دن بھی ذیشانہ فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئی تو آغا جان اس کے کمرے میں چلے آئے۔

"آغا جان! آپ مجھے بلوا لیتے۔" وہ اپنا دوپٹہ سر پر جماتی احتراماً کھڑی ہو گئی۔

"ذیشانہ بیٹی! جب اولاد بڑی ہو جائے تو پھر والدین کو خود ان کے پاس آنا پڑتا ہے۔" ذیشانہ کو اندازہ تھا کہ بات کیا ہے لہٰذا چپ چاپ کھڑی ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"ذیشانہ بیٹا! تم نے شاہو سے شادی سے انکار کر دیا تم اپنی جگہ صحیح سوچ رہی تھیں مگر بیٹا شاہو بھی حق پر ہے میرا خیال ہے وہ اگر یہ سب نہ کرتا تو یہ خاندان یوں ہی بکھرا رہتا۔" آغا جان اسے دلائل دے رہے تھے جب کہ وہ بیٹھی اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی وہ تو دل سے راضی تھی مگر علی کا حالیہ رویہ اسے بہت ہرٹ کرتا تھا۔ دل کو کچھ ہونے لگا۔ وہ اپنی نظریں جھکائے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں تھی۔

"پھر بیٹی میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں' کیا مایوس ہو کر چلا جاؤں؟" وہ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔

"آغا جان مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے میں تو آپ کو ناراض کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" ذیشانہ روتی ہوئی آغا جان سے مخاطب تھی۔ انہوں نے بڑھ کر پوتی کو سینے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو ذیشانہ کے بالوں میں جذب ہو رہے۔

"ذیشانہ بیٹی! تم نے میرا مان رکھ لیا' خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔

شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی گھر میں ہنگامے جاگ اٹھے۔ علی کا سامنا بہت کم ہوتا وہ تو اب بھی یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ ذیشانہ آغا جان کے کہنے پر راضی ہوئی ہے۔

عارف لاہور سے آیا تو اس کی شوخیاں عروج پر تھیں۔ وہ ہر وقت ذیشانہ کے پیچھے پڑا رہتا۔ روز ایک نئی اسٹوری علی کی بے قراری کی گھڑ کر اسے ضرور سناتا۔ علی خلاف توقع جلدی گھر آ گیا فلک تو اس کی شکل دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس پکڑے دوسرے ہاتھ سے اپنا سر دباتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"بھائی خیریت تو ہے؟" وہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں چلی آئی۔

"فلک! میرے سر میں بہت درد ہے' پلیز ایک پیالی چائے لے آؤ۔" تکلیف کو ضبط کرنے کی کوشش میں اس کے چہرے پر طرح طرح کے رنگ آ رہے تھے۔ فلک کچن میں آئی تو ذیشانہ پہلے چائے کا پانی رکھے کھڑی تھی۔

"ذیشانہ کس کے لیے چائے بنا رہی ہو؟"

"محترمہ! اپنے لیے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی مگر وہ اس کے جواب پر اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ "کیا بات ہے فلک' پریشان لگ رہی ہو۔"

"ذیشانہ! بھائی کی طبیعت خراب ہے وہ چائے مانگ رہے ہیں۔"

"اچھا تم فکر نہ کرو۔ میں چائے بنا کر دے آؤں گی۔"

"ذیشانہ! شرم کرو' شادی میں دن کتنے رہ گئے۔" فلک ہنس دی۔

"فلک جی' آپ کے بھائی کی خراب طبیعت ہے' میں تو ٹھیک کرنے جا رہی ہوں۔" وہ شوخی سے بولی۔

"ہاں ذیشانہ' تم جاؤ لگتا ہے بھائی کو کوئی پریشانی ہے۔ میرے خیال میں وہ تمہیں سب بتا دیں گے۔"

"خیال رکھنا کہیں جوتے مار کر مجھے کمرے سے نہ نکال دیں۔" ذیشانہ چائے کو دم کرتے ہوئے بولی۔ فلاسک میں چائے ڈال کر سر درد کی گولیاں اور دو پیالیاں ٹرے میں رکھے کانپتے قدموں سے علی کے کمرے کی طرف بڑھی دل یوں دھڑک رہا تھا گویا پسلیاں توڑ کر باہر آتا ہو۔

علی کو یوں لگ رہا تھا جیسے سر درد سے پھٹا جا رہا ہو۔ آج وہ سارا دن ذیشانہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ذیشانہ حسن تم پر تو زبردستی ہوئی ہے بس تم نے تو آغا جان کا مان رکھا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے۔ شاہ زر علی خان کہ تم نے دل کا کہنا مان کر اپنے انمول جذبے' اپنی بے لوث محبت ایک ایسی لڑکی کے نام کر دیئے جس کے دل میں تمہارے لیے نفرت اور بے زاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دماغ اسے ملامت کر رہا تھا۔ وہ جب یہ سب سوچتا تو دماغ کی رگیں چٹخنے لگتی۔ ذیشانہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے آنکھیں

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

مونڈھے بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا تھا۔ فلاسک سے چائے پیالی میں ڈالی گولی ہاتھ میں لے کر وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"اٹھیں چائے کے ساتھ یہ ٹیبلٹ کھالیں۔" علی نے اپنی سرخ انگاروں کی طرح دہکتی آنکھیں کھولیں تو سامنے ذیشانہ کو پا کر غصہ عود کر آیا۔

"تم کیوں چائے لائی ہو فلک کہاں ہے؟" آواز اونچی ہوگئی۔

"بس جناب' آپ کے ساتھ چائے پینے کو دل کر رہا تھا" اس کے پاس چائے رکھ کر وہ شرارت سے مسکرائی۔

"بات سنیں محترمہ' اپنے دل کو سمجھا دیں کہ ایسی غلط خواہش نہ کیا کرے ورنہ بڑے بڑے نقصان اٹھائے گا۔" علی کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ ٹیبلٹ کھا کر خاموشی سے سائیڈ پر رکھی چائے اٹھا کر چائے پینے لگا۔ ذیشانہ نے اپنی چائے لی اور علی کے بیڈ کے قریب پڑی چیئر پر ٹک گئی۔

"آئی ایم سوری علی' آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوئے۔ میں اپنے رویے پر بہت شرمندہ ہوں پلیز ناراضگی ختم کر دیں۔" آخر اس نے بات کرنے کی ہمت کر لی۔

"مس حسن! کس نے کہا کہ میں آپ سے ناراض ہوں۔ آخر کس ناتے سے میں آپ سے ناراض ہونے لگا۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"وہی رشتہ جو اب بھی ہم دونوں میں موجود ہے۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"دیکھو میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہے اور میرا دماغ مت خراب کرو۔ میں اب تمہیں مزید برداشت نہیں کر سکتا' خدا کے واسطے چلی جاؤ میرے کمرے سے۔" وہ چیخ اٹھا۔

"علی! اگر آپ مجھے ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتے تو پھر شادی کی ہامی کیوں بھری۔ کیوں مجھے ان راستوں کے نشان دکھائے جو میری منزل نہیں تھے۔ میں تو اپنا آپ ہار گئی علی آپ مجھے پیچھے کی طرف پلٹنے کو کہتے ہیں اور میرے پیچھے کیا ہے سوائے اندھیروں کے علی پلیز آپ شادی سے انکار کر دیں' میں دوہرا عذاب نہیں جھیل سکتی۔" وہ بے بسی سے رو دی۔ اس کے اعتراف پر علی کی روح تک سرشار ہوگئی مگر وہ بھی شاہ زر علی خان تھا' جو اتنی آسانی سے ماننے والا نہ تھا۔

"ذیشانہ صاحبہ! پہلے بھی نادانی میں بہت سے جرم اپنے نام لکھوا چکا ہوں۔ آغا جان کو انکار کر کے میں ایک اور جرم کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔" ذیشانہ اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کرتی باہر کی طرف چل دی۔

"تھوڑے دنوں کی بات ہے مسز شاہ زر' پھر تمہارے چہرے پر بہاروں کے تمام رنگ سجا دوں گا۔" وہ دل ہی دل میں ذیشانہ سے مخاطب تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی بیڈ سائیڈ پر اس کی بچی ہوئی چائے پڑی تھی جسے علی نے اٹھا کر ایک سانس میں پی لیا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

عالیہ بیگم کی فیملی لاہور سے کئی دن پہلے آگئی تو ڈھولک رکھ دی گئی لڑکیاں لڑکے مل کر خوب رونق لگاتے علی بھی خوب انجوائے کر رہا تھا۔ ذیشانہ البتہ کمرے کی ہو کر رہ گئی تھی مگر لڑکیاں اسے زبردستی گھسیٹ لاتیں۔ خدا نے اسے حسن بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا اور اس پر چھائی سوگواری اسے چار چاند لگا رہی تھی۔ علی اس کا یہ روپ دیکھتا تو دل تھام کر رہ جاتا۔ آج بھی وہ بے خیالی میں اسے تکے جا رہا تھا۔

کچھ لوگ چاہتے تھے برات حیدرآباد سے آئے۔ علی کا خیال تھا کہ شادی ان کے کراچی والے گھر میں ہو اور برات بھی ادھر سے آئے۔ شاہ نیل اور عارف میرج ہال کے حق میں تھے مگر آغا جان نے کہا کہ تمام فنکشن ادھر ہوں گے شادی کے بعد علی ذیشانہ کو اپنے ساتھ گھر لے جا سکتا ہے۔ شادی میں ابھی دس دن رہتے تھے۔ تیاریاں عروج پر تھی۔ لڑکیوں کی تیاریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ حسن ولا میں بہاروں کے قافلے اتر آئے تھے۔ پورا گھر لان سے لے کر گیٹ تک برقی قمقموں سے جگمگا اٹھا تھا۔ بڑوں کی محفل ورانڈے میں جمی تھی۔ لڑکے باہر لان میں انتظامات کی نگرانی کر رہے تھے جب کہ لڑکیاں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی پرسوں ابٹن کے لیے اپنے اپنے ڈریسز کی سلیکشن میں مصروف تھیں۔ ایک ذیشانہ تھی جو کارپٹ پر بیٹھی سر صوفے سے ٹکائے بے خیالی میں چھت کو تکے جا رہی تھی۔ دماغ بالکل خالی تھا۔ پھر سوچ کا رخ علی کی طرف چلا گیا۔ کیا علی تم یوں سب کو بہلاتے رہو گے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم کس مزاج کے ہو ایسی محفلوں کو تو تم کبھی انجوائے نہیں کرتے۔ بس آغا جان اور تایا ابو کی خوشی کے لیے یہ شوخیوں کا لبادہ اوڑھ لیتے ہو میں مانتی ہوں کہ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تم میری وجہ سے اتنے ہرٹ ہوئے اور گھر تک چھوڑ دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں تمہاری نفرت کا شکار ہو گئی۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ نفرت محبت میں بدل جائے تو زندگی پھولوں کی سیج بن جاتی ہے اگر محبت نفرت میں بدل جائے تو تمام عمر کانٹوں پر چلتے گزر جاتی ہے پھر چاہے ان کی

چبھن سے انسان کا سارا جسم ہی لہولہان کیوں نہ ہو جائے۔ نفرت اس پر کبھی رحم نہیں کھاتی۔ علی میں تمہاری نفرت کے کانٹوں کو پھول سمجھ کر اپنے ہاتھوں میں لے کر سمیٹ لوں گی اور تمہیں ہمیشہ محبت کے پھولوں سے مہکنا ہوگا۔

علی کسی کام کے لیے ٹی وی لاؤنج میں آیا تو نظریں ذیشانہ پر ٹک کر رہ گئیں۔ پیلے رنگ کے کاٹن کے پلین سوٹ میں سر پر دوپٹہ اوڑھے اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ وہ کام وام بھول کر اسے تکنے لگا جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ علی کو دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"پلیز مشعل مجھے اندر لے چلو میں بہت تھک گئی ہوں۔" ذیشانہ نے اپنی پیلی چوڑیاں گھماتے ہوئے آہستہ سے مشعل سے کہا۔ وہ اسے لے کر اندر چلی آئی۔ اپنے بیڈ پر آئی تو ایک دم سکون کا احساس ہوا۔ باہر ابھی تک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ اس نے بیڈ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اسی وقت فون گنگنایا تو اس نے بے دلی سے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔" آواز بڑی بے زار تھی۔

"واہ بھئی، بہت خوب، مسز! بڑی فریش لگ رہی ہیں۔ آخر چہکنے کی وجہ کیا ہے؟" دوسری طرف علی تھا۔

"آپ اور اس وقت؟" وہ حیرت سے چیخی۔

"کیوں بہت برا لگا میرا فون کرنا؟"

"پلیز علی بند کر دیں فون۔"

"آہستہ بات کرو گھر میں اتنے لوگ موجود ہیں اگر کسی نے تمہاری چیختی آواز سنی تو نجانے کیا خیال کریں کہ تمہارے کمرے میں کون ہے۔ ویسے بھی اب ہمیں ایک دوسرے کو تا زندگی برداشت کرنا ہے۔ حالانکہ یہ بہت مشکل ہے مگر کیا کریں مجبوری ہے، یہ تو آپ کو بعد میں پتا چلے گا مس ذیشانہ حسن کہ آپ کو کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔" اس پر کسی بات کا کچھ اثر نہ تھا۔ ذیشانہ نے موبائل ایک طرف پٹخا اور وہیں بیڈ پر اوندھی لیٹ کر بے اختیار رو دی۔

☆☆

وائٹ کلر کے کلف لگے کپڑوں میں چہرے پر خوشیوں کے ہزار رنگ سجائے جب وہ تیار ہوا تو اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ کوئی نظر اس پر ٹھہر نہ سکتی تھی۔ کرن بیگم بی بی جان نے نظر اتارنے کے لیے کئی بکرے صدقے کے دیئے۔ اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی اور سوبر انداز اسے اور نمایاں کر رہے تھے۔ بہنوں کے جھرمٹ میں جو اس کے سر پر ریڈ دوپٹہ تانے آئیں پاس چلی آ رہی تھیں اسٹیج پر لایا گیا، تو ہر طرف رنگوں اور روشنیوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ احمد یار علی خان نے بڑے پیار اور فخر سے اپنے لائق اور ہونہار بیٹے کی طرف دیکھا۔ وائٹ کلر شلوار قمیص پاؤں میں سلور کھسے گلے میں وائٹ کلر کلیوں کا نازک سا ہار ڈالے دنیا بھر کی خوشیوں کے رنگ اپنے وجود پر سجائے نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہا تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری اور اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کی۔ علی اسٹیج پر آیا تو آغا جان نے آگے بڑھ کر کئی بوسے لے ڈالے۔ آغا جان نے میروں کلر کی سندھی اجرک جو کہ سلک کی بنوائی گئی تھی۔ سائڈ پر ڈالی تو اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے۔ فلک، مشعل، آگے بڑھ آئیں اور اسے تھام کر جھولے کی طرف لے آئیں۔ مووی کیمروں کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھی کیمرے یہ خوب صورت لمحات ہمیشہ کے لیے محفوظ کر رہے تھے۔ علی کو بٹھا کر لڑکیاں جا چکی تھیں۔

"ذیشانہ کا چہرہ دوپٹے میں چھپا ہوا تھا کیونکہ یہ بی بی جان کا حکم تھا۔ پریوں کے جھرمٹ میں چلتی جب اسٹیج پر آنے لگی تو علی پہلے اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھ آیا اور اس کا نازک ہاتھ تھام کر اسے اسٹیج پر لے آیا۔ لڑکیوں کی شریر ہنسی ذیشانہ کو نروس کر گئی۔ علی یوں ہی اس کا ہاتھ تھامے آغا جان کے پاس چلا آیا جو اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان صوفے پر موجود تھے۔ آغا جان، بابا جان، چچا جان، ہم دونوں کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ وہ سعادت مندی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

ذیشانہ برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کی دعائیں سمیٹے جھولے کی طرف بڑھ گئے۔ رسم کے لیے لوگ اسی طرف آ گئے۔

آنکھوں میں پیار کے ہزاروں دیپ جلائے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ باقی سب کی نظریں بھی ان دونوں پر ٹکی تھیں۔ ذیشانہ بہت نروس ہو رہی تھی۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور اٹھا۔

"ذیشی! یہ پل کتنے خوب صورت ہیں۔ پلیز ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھو اور انہیں انجوائے کرو۔" علی کی مدھم سرگوشیاں اسے اپنے قریب سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا ہر طرف خوشیوں کی بہار تھی۔

Scanned with CamScanner